ماھنامہ

حکمت بالغہ

اپریل2008

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

سورة الحديد (25-29)

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ
ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا
وَاَنۡزَلۡنَا مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ
اوران پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل)
لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ
تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں
وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ
اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے
اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں
وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالۡغَیۡبِ
اور تاکہ اللہ ظاہر کردے کہ کون کون بن دیکھے اس کی اور اس کے پیغمبروں کی
(لوہے کی طاقت کے ساتھ) مدد کرتے ہیں
اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ
بیشک اللہ قوی (اور) غالب ہے
وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرَاھِیۡمَ

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا

وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِمَا النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ

اور انہی کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو (مختص) کر دیا

فَمِنْھُمْ مُّھْتَدٍ وَ کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ٥

تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں اور ان میں سے اکثر

(ہماری) اطاعت سے روگردانی کر رہے ہیں

ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا

پھر ہم نے ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے

وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَ اٰتَیْنٰہُ الْاِ نْجِیْلَ

اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسٰی (علیہ السلام) کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی

وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْ بِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً

اور جن لوگوں نے ان (عیسٰی علیہ السلام) کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی

وَرَھْبَانِیَّۃَ نِابْتَدَعُوْھَامَا کَتَبْنٰھَاعَلَیْھِمْ

اور لذات (دنیا) سے مکمل کنارہ کشی کرنے کی تو انہوں نے خود ایک نئی بات گھڑ لی

جس کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا

اِلَّا بْتِغَا ءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَا یَتِھَا

مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

(آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہئے تھا وہ نباہ بھی نہ سکے

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْھُمْ اَجْرَھُمْ

پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا

وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ٥

اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ

يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

وہ تمہیں اپنی رحمت سے دُگنا اجر عطا فرمائے گا

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(یہ دوہری رحمت) اس لئے (بیان کی گئی) کہ اہل کتاب (بیچارے) یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل عطا کرنے کی قدرت میں (کہ ان کی خواہش کے علی الرغم بنی اسمٰعیل علیہ السلام میں محمد ﷺ کو بھیج دیا ہے) ردوبدل (کرنے اور کرانے کی) کوئی قدرت یا اختیار نہیں رکھتے

وہ اللہ کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے جس پر چاہے (جب چاہے جس قدر چاہے کسی حاسد کے حسد کے باوجود) فضل فرما سکتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o

اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے

صدق اللہ العظیم

حرف آرزو

انجینئر مختار فاروقی

ربیع الاول کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور ختم المرسلین، پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات کا یک خوشگوار احساس ہر باضمیر اور با اخلاق انسان کے قلب و ذہن پر ''باردگر'' نقش کر جاتا ہے۔ یہ گردش لیل و نہار بھی ''تذکیر بایام اللہ'' ہی کی ایک صورت ہے اور یوں ہم کھوئے ہوئے انسانوں کو تھوڑی دیر کے لئے دوبارہ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے کہ ہم مسلمان آخر کہاں کھڑے ہیں؟ دوسری حیثیتوں میں شاید ہم ترقی کر رہے ہوں ایک امتی کی حیثیت سے ہمارا کردار اکثر پیشتر ''مثالی'' اور قابل تعریف نہیں ہے اس لئے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کماحقہٗ نہیں کر رہا اللہ سے اس بے رخی اور محمد ﷺ سے اس بے وفائی کا احساس بھی اکثر افراد امت مسلمہ کو ستا نہیں رہا۔

ع
وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آیئے ــــــــــ اس دفعہ اس ماہ ربیع الاول کو اپنے لئے قیمتی بنا لیں۔ اس کام کا

آغاز بہت سادہ سا ہے اور آج کے دور میں بہت کم خرچ بھی۔ میری خواہش ہے کہ ہر مسلمان اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت کی کوئی معتبر کتاب حاصل کرلے۔ کسی لائبریری سے کسی علم دوست شخصیت سے یا بازار سے خرید لے آج کے دور میں 200 یا 300 روپے کوئی قدر نہیں رکھتے جس شخص کی جیب میں ہزاروں روپے کا موبائل ہوسکتا ہے اور کئی سو روپے وہ ماہانہ اس کا بل ادا کررہا ہے اس کے لئے اتنی رقم نکالنا اور اس سے ایک سیرت النبی ﷺ کی کتاب خرید کر گھر لے آنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اب اس سیرت النبی ﷺ کا باضابطہ مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس میں رہنمائی تلاش کریں۔ چند سوالات ذہن میں متعین کرلیں۔ مثلاً ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے زندگی کیسے گزاری؟ ان کا معیار زندگی کیا تھا؟ وہ کمانے کے لئے کتنا وقت نکالتے تھے اور خدمت خلق اور اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کتنا وقت لگاتے تھے لوگوں کو نیکی کے راستے پر لانے کے لئے کتنا وقت لگاتے تھے اور اس کے لئے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا کیا مشقتیں برداشت کی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمارے لئے کیا پیغام چھوڑا ہے اور ہمارے کرنے کے کام کیا ہیں؟۔

ہر باضمیر، با اخلاق اور با اصول شخص کھلے ذہن سے جب بھی آپ ﷺ کے اوراق زندگی کی ورق گردانی کرے گا تو ان سوالات کے جواب واضح انداز میں پالے گا۔ اب اگلا مرحلہ ـــــــــ ان تعلیمات کو یاد رکھنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کا ہے تو اس کے لئے ایک عزم مصمم اور دوسرے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے توفیق مانگنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک سچا امتی بننے کی سعادت حاصل کرنا توفیق ایزدی کے بغیر ممکن نہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یوں تو مطالعہ کے لئے سیرت کی کتابوں کا شمار نہیں ہے اور درجہ بدرجہ سب قابل مطالعہ اور قابل لحاظ ہیں۔ لیکن سب سے صحیح معتبر اور ثقہ کتاب جس میں آپ ﷺ کی سیرت کے لازوال نقوش اور اخلاق و کردار کے انمول ہیرے موجود ہیں وہ ہے ”قرآن مجید“ جو کلام ہے خود ـــــــــ خالق ارض و سما کا اور حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر بنانے والے اور دنیا میں رحمت للعالمین بنا کر بھیجنے والے کا ـــــــــ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مجھے اور آپ کو

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَه‘ حَقَّ تِلَاوَتِه

ترجمہ: ’’جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں
جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے‘‘
کا مصداق بنادے (آمین)

قرآن مجید ہم سب کی جانی پہچانی کتاب ہے اور ہر مسلمان گھر کی زینت ہے۔ تاہم اس کی قدر قیمت سے بہت تھوڑے مسلمان واقف ہیں۔

یہ کتاب بیک وقت کئی شانیں رکھتی ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے لہٰذا اس کی شانیں بھی اللہ ﷻ کی شانوں کی طرح بے شمار ہیں۔ دراصل یہ کتاب ’’کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ،،کا مصداق بھی ہے۔

یہ کتاب آپ ﷺ کی کتاب ’’سیرت‘‘ بھی ہے کہ اس میں آپ ﷺ کی زندگی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اور یہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہیں لہٰذا بہت معتبر اور ثقہ ہیں ـــــــــــــ اسی طرح یہ کتاب آپ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور مہبط وحی ہونے کا سب سے نمایاں جیتا جاگتا ثبوت بھی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ ﷻ نے بہت سے معجزے عطا فرمائے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی بڑے بڑے معجزے دیئے مگر وہ مادی اور حسی معجزے تھے اور وقت کے ساتھ ان کے آثار دنیا سے محو ہو گئے اب ہم ان کو صرف کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ پانی میں برکت کا معاملہ ہو یا چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا، مردوں کو زندہ کرنے کا ہو یا آنکھوں کی بینائی لوٹا دینے کا یہ معجزات اب ہماری یادداشتوں میں باقی ہیں جبکہ قرآن مجید ایسا معجزہ ہے کہ یہ آج بھی پہلے دن کی طرح زندہ ہے۔ دنیا میں قرآن مجید اس چیلنج کے ساتھ موجود ہے کہ اس جیسی عبارت نہیں بنائی جا سکتی چنانچہ عربوں کے اس اعتراض پر کہ حضرت محمد ﷺ قرآن مجید خود بناتے ہیں (معاذ اللہ) اللہ ﷻ نے انہیں بطور چیلنج قرآن مجید میں پہلے پارے میں سورۃ بقرۃ آیت 23 میں فرمایا کہ اگر تمہیں شک ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالی کی طرف سے نہیں ہے اور یہ محمد ﷺ خود بناتے ہیں (معاذ اللہ) تو تم بھی عرب ہو زبان دانی پر تمہیں فخر ہے تم بھی اکیلے نہیں تو مل جل کر اس قرآن جیسی عبارت بنالو اور ایک سورت (سورۃ کوثر) جتنی

عبارت بنالاؤ اور دنیا گواہ ہے کہ قرآن مجید جیسی عبارت آج تک بنا کر پیش نہیں کی جاسکی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ کلام انسان کا نہیں اور انسان کا نہیں تو خالق کائنات کا ہے اور خالق کائنات جس انسان پر بھی اپنا کلام نازل فرماتے ہیں وہ پیغمبر ہوتا ہے اور قرآن مجید جن پر نازل ہوا اور جنہوں نے پیش کیا وہ بالاتفاق حضرت محمد ﷺ ہیں تو آپ اللہ کے پیغمبر ہوئے اور آپ پیغمبر ہیں تو

آپ ہی صراط مستقیم پر ہیں اور آپ ہی کی زندگی نمونہ ہے اور لائق پیروی اور اتباع ہے۔ یہی

حقیقت سورہ یس (جسے اکثر لوگ روز مطالعہ کرتے ہیں) کے بالکل آغاز میں فرمادی کہ

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ

قرآن جو حکمت سے بھرا ہوا ہے گواہ ہے کہ (کہ اے محمد ﷺ) بیشک آپ پیغمبروں میں سے ہیں

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

سیدھے راستے پر

لہٰذا اگر آپ ﷺ کی 'سیرت' اور حالات زندگی اور طرزِ زندگی کا مطالعہ کرنا ہے تو آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید سے زیادہ ثقہ اور نسخہءِ کیمیا کوئی کتاب نہیں ہے۔

؎ اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

انجمن خدام القرآن جھنگ کے قیام کے مقاصد ہی یہ ہیں کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں۔یہی طبقہ ہمارے ہاں معیشت اور کاروبار میں بھی آگے ہے اور تعلیم اور علم میں آگے ہے۔یہی لوگ اختیار اور حکومت کی مسندوں پر بھی فائز ہیں اور تعلیم اور میڈیا پر بھی موثر گرفت رکھتے ہیں اور پالیسی بنانے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔لیکن عملاً قرآن وحدیث کی ہدایت سے تہی دست ہونے کی وجہ سے نفسانی خواہشات اور دنیاوی مفاد کے تابع فیصلے کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں پاتے۔

قرآن اکیڈمی کا قیام اور حکمت بالغہ کا یہ جریدہ بھی اس مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہے کہ کسی طرح اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآن مجید کے قریب لایا جائے۔ پہلے عربی زبان کی تعلیم کے ذریعے ان کو قرآن مجید (اور احادیث رسول ﷺ کی زبان) سے آشنا کیا جائے اور پھر مسلسل مطالعہ سے ان کے اندر قرآن فہمی اور قرون اولی کے مسلمانوں کی سی زندگیوں کے نمونے پیدا کرنے کے لئے کوشش کی جائے۔

چنانچہ قرآن اکیڈمی میں 20 ماہ جاری رہنے والے سیمینار کے سلسلہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ دور صحابہ ﷺ کے بعد اسلاف میں سے ایسی شخصیات کا تذکرہ کیا جائے اور ان کے کارناموں کو یاد کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی جائے جنہوں نے علمی کارنامے بھی سرانجام دیئے

اور جہاد وقتال اور حکومتی سطح پر دین کی خدمت بھی کی ہے۔اسی طرح ترجمۃ القرآن کے پروگرام اور رمضان المبارک میں تراویح کے ترجمے کے پروگرام بھی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات کوقرآن مجید کے قریب لانے کے مشن کے حوالے سے ایک اہم کام جو حکمت بالغہ کے صفحات پر نمایاں رہتا ہے یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جاری سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کو'بے خدا' تعلیم کے بھنور سے نکال کر'خدا آشنا' اور'خدا شناس' نظام تعلیم سے بہرہ ور کردیا جائے۔علامہ اقبال اسی کے حامی تھے اور ڈاکٹر رفیع الدین بھی اسی مشن کے لیے ساری زندگی مصروف عمل رہے مگر پاکستان بننے کے ساٹھ سال بعد بھی ہنوز روز اول کا سا سماں ہے ایک کوشش ہے جو جاری ہے اور ان شاءاللہ تادم آخر جاری رکھیں گے۔

اگلے شمارے میں ان شاءاللہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے جاری کردہ رسالے اسلامی تعلیم کے پہلے شمارے مارچ اپریل 1968ء سے ضروری حصے ہدیہ قارئین کریں گے تاکہ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر اس کے لئے کی جانے والی کوششیں انجمن کے وابستگان اور قارئین حکمت بالغہ کے علم میں رہیں۔کیا عجب کہ سابقہ نسل سے نہیں تو آئندہ کوئی باہمت اٹھ کر اس کام کو روبعمل لانے میں کامیاب ہوجائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

مسلمانوں کی سائنسی خدمات

لطیف الرحمٰن خان

مسلمانوں نے سائنس کے تقریباً ہر میدان میں انتہائی اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کا ایک مختصر جائزہ بھی یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم صرف چند مثالیں دیں گے تا کہ

مسلمانوں کی سائنسی خدمات کا تھوڑا بہت اندازہ کیا جا سکے۔

علم کیمیا (CHEMISTRY) کی سب سے بڑی شخصیت جابر بن حیان ہیں جو کوفہ میں مطب کرتے تھے۔ انہیں علم کیمیا کا جد امجد خیال کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت سے مفید کیمیاوی نسخے تیار کئے اور سو سے زیادہ تصانیف چھوڑیں، جس سے مغرب نے فائدہ اٹھایا۔ ''میکس میئر ہاف'' نے تسلیم کیا ہے کہ مغربی کیمیا پر ان کی تصانیف کا اثر بہت نمایاں ہے۔ ان کی وضع کی ہوئی فنی اصطلاحیں آج بھی استعمال ہوتی ہیں۔

علم طبعیات (PHYSICS) میں بھی مسلمانوں کی کئی شخصیتیں بہت نمایاں ہیں لیکن ان میں ''کندی'' ایک عجیب جامع الکمالات انسان تھے۔ انہوں نے طبعیات، کیمیا، فلسفہ وغیرہ 265 تصانیف چھوڑیں ہیں۔ نوریات (OPTICS) میں ان کی تصانیف کا اثر راجر بیکن اور دوسرے مغربی سائنس دانوں پر بہت نمایاں ہے۔ دور جدید کے فلسفی ''کارڈن'' نے ان کو دنیا کی ابتداء سے اپنے وقت تک کے بارہ بڑے مفکروں میں شمار کیا ہے۔ ''ابو ریحان البیرونی'' نے علم طبعیات میں قیمتی تصانیف چھوڑی ہیں اور انہوں نے ثابت کیا تھا کہ روشنی آواز سے زیادہ تیز رفتار ہے۔ ان کے علاوہ ''جاحظ'' نے کروں کی کشش پر تصانیف چھوڑیں ہیں۔ اب دنیا خود انصاف کر لے کہ زمین کی کشش کا راز کس نے دریافت کیا۔

علم نباتات (BOTANY) میں بھی مسلمانوں کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔ نباتیات کی تعلیم کے لئے قرطبہ، بغداد اور قاہرہ میں باقاعدہ نباتاتی باغات لگائے گئے تھے جن میں ہر قسم کے تجربے کئے جاتے تھے۔ اس علم میں مسلمانوں کی نمایاں شخصیت ''ابن بیطار'' ہیں جن کی تصنیف سولہویں صدی تک علم نباتیات کی سب سے قیمتی اور مستند تصنیف تسلیم کی جاتی تھی۔

علم ریاضی عربوں کا مخصوص مضمون رہا ہے، جبکہ الجبرا اور ٹرگنومیٹری کی ابتداء انہوں نے کی۔ ریاضی میں صفر عربوں کی ایجاد ہے جس نے علم حساب میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس کو بہت آسان اور مفید بنا دیا'' کارے ڈی ووٗ'' نے "LEGACY OF ISLAM" میں تسلیم کیا ہے کہ ''عربوں نے سائنس میں بے مثل ترقی کی ہے۔ انہوں نے صفر کا ہندسہ ایجاد کیا اور اس کا استعمال سکھایا اور اس طرح روزمرہ کے حساب کے موجد ہوئے۔ انہوں نے الجبرا کو ترقی دے

کر علم کا درجہ دیا اور ٹرگنومیٹری کے موجد ہوئے جن کا علم یونانیوں کو نہیں تھا۔''

علم طب (MEDICAL SCIENCE) پر بھی مسلمانوں کے احسانات بہت زیادہ ہیں ''زکریا رازی'' ''بوعلی سینا'' اور ''مجوشی'' کا شمار دنیا کے بہترین اطباء میں ہوتا ہے۔'' زکریا رازی'' نے دوسو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، جن میں ''کتاب المنصوری'' دس جلدوں میں ہے۔ انہوں نے چیچک کے متعلق سب سے پہلی کتاب لکھی جو آج بھی مستند مانی جاتی ہے اور صرف یورپ میں اس کے چالیس ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ رازی کی سب سے بڑی طبی تصنیف ''الحوی'' چوبیس جلدوں میں ہے۔ طب کی اتنی جامع کتاب دنیا کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ ''بوعلی سینا'' کی کتاب ''القانون فی الطب'' عربی طب کا نقطہ عروج خیال کی جاتی ہے۔ اس میں سات سو ساٹھ نسخوں کی تفصیل بھی دی ہوئی ہے۔ یورپ میں پندرہویں صدی کے آخری تیس سالوں میں اس کتاب کے تیس ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ایک مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ کسی طبی کتاب کا اتنا مطالعہ نہیں ہوا جتنا اس کتاب کا ہوا ہے۔

سب سے پہلا ہسپتال مسلمانوں نے قائم کیا اور اسے رواج دیا۔ عباسی خلفاء کے زمانے میں چونتیس سے زائد ہسپتال کام کر رہے تھے۔ گیارہویں صدی میں اسلامی ممالک میں گشتی شفاخانوں کا رواج عام ہو گیا تھا۔ عباسی دور کے بڑے ہسپتالوں میں حکیموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام تھا۔ ان کا امتحان لیا جاتا تھا۔ سند دی جاتی تھی اور ان کی رجسٹریشن کا باقاعدہ نظام رائج کیا گیا تھا۔ بڑے ہسپتالوں میں طبی کتب خانوں کا بھی انتظام تھا۔'' سلطان محمود سلجوقی'' نے سب سے پہلا فوجی طبی دستہ قائم کیا۔ عالم اسلام نے سرجری کو بھی بہت ترقی دی۔ ''زہراوی'' دنیائے اسلام کے سب سے بڑے سرجن ہیں۔ ان کی کتاب ''التصریف'' کے تیس باب ہیں جس میں سرجری کے آلات کے نقشے بھی دیئے ہوئے ہیں۔ یورپ میں یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی۔

دنیائے اسلام کے سب سے بڑے ماہر حیوانات ''جاحظ'' اور ''دمیری'' تھے جاحظ کی تصنیف ''کتاب الحیوان'' میں حیوانوں کی نفسیات پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں جنس کے ارتقاء کے نشانات بھی ملتے ہیں جسے بعد میں ''ڈارون'' نے تفصیل سے بیان کیا۔ ''دمیری'' کی مشہور تصنیف ''حیات الحیوان'' میں جانوروں کی پیدائش اور ان کی تاریخ پر پوری طرح روشنی ڈالی

گئی ہے۔

سائنسی ایجادات میں بھی مسلمانوں کا حصہ بہت نمایاں ہے۔''ابوالحسن'' نے دور بین ایجاد کی۔ پنڈولم''ابن یوسف'' کی ایجاد ہے۔ دنیا کی سب سے پہلی گھڑی ''قطبی'' نے ایجاد کی۔ عہدعباسیہ میں گھڑی کا استعمال عام تھا۔قطب نما''ابن ماجد'' نے تیار کیا۔ بارود کے موجد''میر فتح اللہ'' ہیں فوٹوگرافی''ابن الہاشم'' کی ایجاد ہے۔جغرافیہ دان''ابن موسیٰ'' نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس سے کرۂ ارض کی پیمائش کی جاتی تھی۔''ابوالصلف'' نے 1124ء میں ایک ایسی مشین ایجاد کی تھی جس کی مدد سے غرق شدہ جہاز نکالے جاتے تھے۔صابن سب سے پہلے عربوں نے ایجاد کیا۔اسلامی ممالک کے تیار کردہ کاغذ، کپڑا، ریشمی کپڑے، شیشے اور شکر ساری دنیا میں بہترین مانے جاتے تھے۔ ہوا کی چکی ایک مسلمان کے دماغ کی پیداوار ہے۔ یورپ کی سب سے پہلی رصدگاہ اشبیلہ (سپین کا ایک شہر) میں تعمیر کی گئی تھی۔

خلاصہ کلام

ان صفحات میں مختلف علوم وفنون میں مسلمانوں کی خدمات کا خاکہ پیش کرنے کا مقصد اس حقیقت کو اجاگر کرنا ہے کہ کسی بھی قوم یا تہذیب کے عروج میں اور علوم وفنون میں اس کی ترقی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔اسلام کا عروج بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں رہا۔ جب تک مسلمان علوم وفنون میں ترقی کرتے رہے ان کا عروج نہ صرف برقرار رہا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہا، اور جب انہوں نے اپنے بزرگوں کے علمی کارناموں کو ہی اپنا سرمایہ افتخار سمجھ لیا اور مستقبل کے کارناموں کی فکر چھوڑ دی تو وہیں سے ان کے زوال کا آغاز ہوگیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسلامی تہذیب کے عروج کی عمارت اتنی عظیم تھی کہ اس کے گرنے میں بھی صدیاں لگ گئیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم زوال کے نقطہ آغاز کو سمجھیں اور اسے پہچانیں۔

اسلامی تہذیب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس نے نت نئی ایجادات کے ذریعہ انسانیت کو مادی آرام وآسائش بھی دیا اور ساتھ ہی انسانیت کو روحانی سکون سے بھی ہمکنار کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے علوم وفنون کی عمارت قرآن وحدیث کے علم کی بنیاد پر قائم تھی۔ آج مغربی تہذیب کے علوم وفنون کی ترقی دراصل مسلمانوں کے علوم کا تسلسل ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ

ان کے علوم میں قرآن وحدیث شامل نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی مادی ترقی تو واقعی قابل تعریف ہے لیکن اس ترقی کے سائے میں آج انسانیت کتنی دکھی ہے' اس کا اندازہ کرنا ہے تو مغربی ممالک کے اعداد وشمار کا مطالعہ کرلیں اور دیکھیں کہ گزشتہ دوسو سال میں اعصابی اور ذہنی مریضوں کی تعداد میں' اعصاب کو سکون دینے والی ادویات کی فروخت میں اور خودکشی کرنے والوں کی تعداد میں کس رفتار سے اضافہ ہوا ہے۔ پھر آپ کو کچھ اندازہ ہوگا کہ مغربی تہذیب میں انسانیت نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔

آج مغربی تہذیب کا سورج نصف النہار پر چمک رہا ہے پھر بھی حالت یہ ہے کہ نیویارک اور واشنگٹن جیسے شہروں میں بھی مغرب کے بعد آپ چہل قدمی کے لئے نہیں نکل سکتے۔ چند سال پہلے نیویارک میں تھوڑی دیر کے لئے بجلی فیل ہوگئی تھی۔ اس دوران وہاں جو کچھ ہوگیا اس پر جنگلی قوموں کے سر بھی شرم سے جھک گئے ہوں گے۔ اس کا موازنہ کرلیں اس صورتحال سے جب سڑکوں اور گلیوں میں روشنی کا انتظام نہیں ہوتا تھا لیکن امن وسکون ہوتا تھا۔ جب ایک عورت حضرموت سے مدینہ کا سفر تن تنہا کرتی تھی اور پورے راستہ میں اسے اللہ کے علاوہ کسی اور کا خوف نہیں ہوتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام تر مادی ترقی کے باوجود انسانیت آج ایک متوازن اور مہذب نظام حیات کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن تلاش نہیں کرپارہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نظام حیات پر ہم خزانے کا سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے نظام حیات کو موجودہ دور کی علمی سطح کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اس ایک کام کے علاوہ باقی سارے کام کررہے ہیں۔ ہم اپنے مکان کا نقشہ بنواتے وقت ٹی وی لاونج اور ڈائننگ روم کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے بغیر مکان کو نامکمل تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس نقشہ میں سٹڈی روم کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ پھر ہم مکان کے ایسے نقشے پر فخر بھی کرتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں احساس زیاں بھی نہیں رہا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم علوم وفنون کی عمارت کو ایک مرتبہ پھر قرآن وسنت کی بنیاد پر استوار کریں اور اس میدان میں دوسروں سے آگے نکلیں۔ اس کے بغیر اسلامی عروج کا

خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ یہ تو ممکن ہے کہ مسلح جدوجہد سے یا غیر مسلح عوامی جدوجہد کے ذریعہ کسی ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ اس طرح وہاں پر شاید اسلام کا پودا لگ جائے، شاید اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پاکستان میں تو ابھی یہ بھی نہیں ہوا۔ لیکن اس طرح سے لگایا ہوا اسلام کا پودا نہ تو درخت بن سکے گا اور نہ ہی پھل دے پائے گا۔

(ماخوذ از ماہنامہ ''کوثر'' لاہور)

سافٹ ڈرنکس

تحریر: عدیلہ زبیر

تلخیص وترجمہ: بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ

کاربن ڈائی آکسائیڈ ملے مشروبات جو سافٹ ڈرنکس کے نام سے پہچانے جاتے ہیں دراصل شراب سے پرہیز کرنے والوں کیلئے ایجاد کئے گئے تھے۔ اسی لئے ہارڈ ڈرنکس (الکوحلک

مشروبات) کے مقابلے میں انہیں سافٹ ڈرنکس کا نام دیا گیا۔ ہمارے جدید معاشرے میں ان کا بڑھتا ہوا غیر معمولی استعمال اب طبی ماہرین کے نزدیک ایک لمحہ فکریہ ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اب ان کے خلاف فضا ہموار کی جارہی ہے۔ خاص طور پر اسکولوں میں اس کے خلاف مہم جاری ہے ولیم جے کلنٹن فاؤنڈیشن نامی ایک NGO جو امریکہ کے سابق صدر کلنٹن کی سربراہی میں کام کررہی ہے۔ اس مسئلہ پر ایک اہم کردار ادا کررہی ہے۔ اس مہم کی ایک بڑی کامیابی امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا میں اس کے گورنر سابق مشہور فلمی اداکار آرنلڈ شوارزنگر کی طرف سے یہ قانون سازی ہے کہ اس ریاست کے تمام اسکولوں میں سافٹ ڈرنکس کی فروخت ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔

عام مفہوم میں گیس بھرے یہ مشروبات شکر، پانی، فاسفورک ایسڈ، کیفین، رنگ اور چند کیمیائی اجزاء کا مرکب ہوتے ہیں جن میں کاربن ڈائی آکسائیڈ حل کر کے بوتلوں یا کینز میں بھر کر فروخت کئے جاتے ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ ایک تیزابی محلول تخلیق کرتی ہے جو فاسفورک ایسڈ کے ساتھ مل کر اس کی تیزابیت میں مزید اضافہ کردیتی ہے اور اس طرح جسم میں موجود کیلشیم کے ذخائر کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ اسی طرح بچوں کی نشوونما میں ہڈیوں کی کمزوری نمایاں ہوجاتی ہے۔ ثانیاً طبی ماہرین نے سافٹ ڈرنکس اور خوراک کی نالی کے کینسر کا آپس میں تعلق بھی دریافت کیا ہے۔ اس کے علاوہ کیفین کی موجودگی بچہ کی نیند پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے دن بھر میں بچہ توانائی میں کمی محسوس کرتا ہے۔ چالیس سال سے زائد عمر کے افراد کیلشیم کی کمی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں کیونکہ ان کے گردے فاسفورس زیادہ مقدار میں خارج نہیں کرسکتے۔ خون میں فاسفیٹ کی زیادتی کیلشیم کی کمی کا سبب بنتی ہے کیونکہ انسانی جسم میں کیلشیم اور فاسفورس کے تناسب میں معکوس نسبت ہے۔ اس کے علاوہ قوت مدافعت میں کمی واقع ہوتی ہے اور یہ جراثیم کش ادویات کے اثر کو بھی کم کرتی ہیں۔ 2004ء میں دانتوں کے ایک برطانوی جریدہ میں ان مشروبات کا دانتوں پر نقصانات کا جائزہ شائع کیا گیا۔ یہ نقصان 12 تا 14 سال کے بچوں میں 220 فیصد تک ریکارڈ کیا گیا۔ ایسے مشروبات کے چار گلاس کا روزانہ استعمال اس نقصان کو 500 فیصد تک پہنچا سکتا ہے۔ اس کا تجربہ تو سافٹ ڈرنک مشروب کے ایک گلاس میں بچے کا گرا ہوا ایک دانت ڈال کر کیا جاسکتا ہے۔ مشروب کی تیزابیت کچھ ہی دیر میں دانت کو نرم کردے گی اور رات

بھر اس میں پڑا رہنے پر وہ مشروب میں حل بھی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے مشروب کے استعمال کے فوراً بعد ٹوتھ پیسٹ کا استعمال اس نقصان میں اضافہ کر سکتا ہے۔ ان مشروبات کے استعمال سے وزن میں اضافہ کے امکانات بھی روشن ہیں۔ لڑکیوں میں وزن میں اضافہ اور ہڈیوں کی کمزوری زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ ایک اور قابلِ غور بات ان مشروبات کی PET بوتلوں میں فروخت ہے۔ ہمارے ملک میں حفظانِ صحت کے اصولوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور یہ رپورٹس بھی ملتی ہیں کہ بوتل کے اندر سے کیڑے مکوڑے برآمد ہوتے ہیں اور جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کے معیار کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ حال ہی میں ہمارے ہمسایہ ملک میں کوکا کولا پر پابندی لگائی گئی کیونکہ اس میں کرم کش ادویات کا لیول زیادہ پایا گیا جس سے کینسر اور دوسری بیماریوں کے پیدا ہونے کا امکان تھا۔

(روزنامہ ڈان 6۔اگست 2006ء)

کیوں فرمانِ عزیز کو بھول گئے ہو۔ اے لوگو!

محمد رشید عمر

اللہ رب العزت کا فرمان عزیز ہے۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا (فاطر۔6) بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے اسے بطور دشمن سمجھ لو، پکڑ لو، گرفتار کر دو، جکڑ دو، یہ

اس آیت مبارکہ کی ترجمانی ہے۔سورۃ بقرہ آیات 168 اور 208 اور انعام 142 تین مقامات پر ایک ہی حکم بغیر کسی حرف کے فرق کے ساتھ فرمایا!

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

ترجمہ ’’(اے لوگو!) شیطان کے نقوشِ پا کی پیروی نہ کرو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے‘‘

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر شیطان کی انسان دشمنی کو بیان کیا گیا ہے۔سورۃ بقرہ میں آدمِ اول پر اس کے پہلے حملے کا ذکر ہے جس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ 120 میں بیان کی گئی ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى

ترجمہ ’’پھر شیطان نے اس کے جی میں ڈالا کہا اے آدم کیا میں تجھ کو سدا زندہ رہنے کا درخت اور نہ ختم ہونے والی بادشاہت کے متعلق نہ بتاؤں۔‘‘

پہلے ہی حملے میں جنت کا لباس اتروا کر جنت خلد سے باہر نکلوا دیا۔

سورۃ الحجر میں اللہ ﷻ کے حضور اس نے چیلنج کیا’’ میں بھی ان سب کو زمین میں بہاریں دکھلاؤں گا۔اور ان سب کو راہ سے گم راہ کردوں گا‘‘ (آیت 40)۔

سورۃ اسرا۔62 میں اس کا چیلنج ان الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔’’اگر تو مہلت دے مجھے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے قلیل تعداد کے (کم لوگ میرے وار سے بچ پائیں گے)‘‘۔

سورۃ ص 82 میں اللہ کی عزت کی قسم اٹھا کر کہا۔’’تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کردوں گا‘‘ قرآن مجید جس کے حقائق کو جانتے ہوئے ، مانتے ہوئے اور ملی طور پر آزماتے ہوئے صدیاں بیت رہی ہیں۔آج انہی حقائق سے آنکھیں چرا کر انسان شیطان کو دوست بنا رہا ہے۔جس نے اس کے ایمان اور اعتقاد کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیا ہے۔

پہلا حملہ ایمان باللہ پر کیا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نصر جو قوم نوح علیہ السلام کے صالح افراد تھے۔لوگوں کی نظروں میں ان کو معبود بنا دیا اور اس اعتقاد میں اتنا پختہ کردیا کہ ساڑھے

نوسوسال کی تبلیغ کی محنت بھی ان کو سنوار نہیں سکی۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ نے تمام مشرکین کو غرقِ آب کر دیا اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھوڑے انسانوں کی اولاد سے دنیا کو نئے سرے سے آباد فرمایا۔ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

دوسرا حملہ ایمان بالآخرت پر کیا۔ لوگ سرے سے ہی اللہ اور آخرت کو بھول گئے اور کہنے لگے!

وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَمَا یُهۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ۔(جاثیہ 24)

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا دنیا کا جینا اور مرنا اور نہیں مارتا ہمیں مگر زمانہ''

تیسرا حملہ ایمان بالرسالت پر کیا۔ رسالت کے پیغام کو پس پشت ڈال کر مختلف انبیاء علیہم السلام کی امتیں مختلف گروہوں میں بٹ گئیں کوئی عیسائی بن گیا اور کوئی یہودی۔ اور آپس میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ جب نبی آخرالزماں ﷺ نے ان کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہونے کی دعوت دی تو بجائے حضور نبی کریم ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ لینے کے سب مل کر یعنی مشرکین، یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اسلام نے ان سب کو ایسا مغلوب کیا کہ صدیوں تک سر نہیں اٹھا سکے۔ لیکن آج مسلمان زوال کا شکار ہو چکے ہیں چنانچہ شیطان جس کی چالوں کا شکار ہو کر رحمت خداوندی سے محروم ہوئے تھے اس محرومی کو پکا کرنے کیلئے شیطان نے غیر مسلموں کے دلوں میں دشمنی کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ آج پورا عالم کفر ایسے کارخانوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ جہاں سے انسانی گمراہی کا سامان دھڑا دھڑ بن کر پوری دنیا میں تقسیم ہو رہا ہے اور مسلمانوں کا معاشرہ زوال کا شکار ہو کر ان کے بہت بڑے گاہک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ وہ بے دریغ ان کے مادی وسائل کو اور سرمایہ حیات اخروی کو لوٹ رہے ہیں۔ شیطان انسانی کمزوریوں کو خوب سمجھتا ہے اور اشتہائے نفس کو بڑھکانے کا سامان فراہم کرتا ہے۔ پیٹ کی آگ کو بجھانے کیلئے کوک۔ بروسٹ اور برگر کلچر کو فروغ دیتا ہے۔ اشتہائے جنس کو بھڑکانے کیلئے بولتی ہوئی متحرک تصویروں کی صنعت کو اتنا فروغ دے دیا ہے کہ لوگ اس کو ضرورت

سمجھنے لگے ہیں۔ ناگزیر معاشرتی ضرورت بن گیا ہے اس کا استعمال آج کون سی آنکھ اور کونسا کان ہوگا۔ جس میں سے داخل ہو کر یہ فتنہ دل پر حملہ آور نہ ہوا ہوگا اسی کے اثرات ہیں کہ آج اسلامی معاشرہ جان مال اور غیرت کے تحفظ سے عاری ہے امانت، دیانت، راست بازی، وفاداری، قول وفعل کی پختگی شہادت حق کی طاقت اور شرم وحیا کی شدید قلت کا شکار ہے معاشرہ کی گوداعاظم الرجال کی موجودگی سے خالی نظر آتی ہے اور تنزل کی رفتار اتنی تیز ہوگئی ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ اصلاح معاشرہ کا کام کہاں سے شروع کیا جائے۔

شیطانی چالوں کا شکار ہو کر ہم تفرقہ کا ایسا شکار ہوئے ہیں کہ ہماری کئی مساجد کی تعمیر کا محرک اکثر وبیشتر باہمی تفرقہ ہے۔ شیطان کی چالیں ہیں کہ اس نے دین کے نام پر ایسے کاموں میں لگا دیا ہے اور ان کاموں کے ایسے گمراہ کن نام رکھوا دیئے ہیں کہ محض ناموں پر غور کرنے سے ان کے مضر اثرات سمجھ آ جاتے ہیں مراد اس سے ختم قرآن یا بزرگان دین کے نام پر ختم کی مجالس کا انعقاد ہے ختم قرآن کی مجلس کے انعقاد کے اعلان پر غور کیجئے اس نام پر باقاعدہ تشہیری مہم چلائی جاتی ہے اور دور ونزدیک سے لوگوں کو اس میں شمولت کے ہے باقاعدہ مدعو کیا جاتا ہے بیان ہوتا ہے اور قرآن کو ختم کرنے کی خوشی میں کھانا تقسیم ہوتا ہے کہ آج ہم نے قرآن ختم کرنے کی سعادت حاصل کی ہے غور کیجئے کتنی گمراہ کن بات ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کیا ہم نے قرآن کو ختم کر دیا۔ بس اس کو پڑھنے کے لئے جو ہم نے محنت کی تھی آج وہ ختم ہوگئی اس کے بعد ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ بجا طور پر کہیں گے کہ نہیں اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے لیکن آپ غور کریں گے تو زمینی حقیقت یہی سامنے آئے گی کہ ہم بس ختم قرآن کی مجلس میں شرکت کر کے قرآن مجید کے حقوق سے غافل ہو گئے اس کی کیا تعلیمات ہیں کیا تقاضے ہیں اس کے لئے ہم نے اس محفل میں کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔ ہم نے کوئی ترتیب نہیں بنائی کہ آئندہ محفل ختم قرآن میں جائزہ لیں گے کہ ہم نے اس پر کتنا عمل کیا اور کتنا اس کو آگے پہنچایا۔ زیادہ سے زیادہ ہم اگلے دوبارہ ختم قرآن کی یاد تازہ کرنے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ آپ پھر اختلاف کریں گے لیکن پھر آپ کی خدمت میں گزارش ہوگی کہ عملی صورت اس سے مختلف نہیں۔ اسی طرح بزرگوں کے نام پر ختم کی مجالس کا کیا مطلب ہے یہی نا کہ ہم ایک دن مقرر کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ مہینہ کی

فلاں تاریخ کو فلاں بزرگ کا ختم ہوگا۔غور کیا آپ نے ہم نادانستہ طور پر شیطان کا کس طرح شکار ہو رہے ہیں۔کوئی بزرگ ہو یا کوئی چھوٹا ہو ہم اسے ختم نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔جن کو اللہ ﷻ نے عزت دی اور ان کے نام کو لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھا۔ہماری کیا مجال کہ ہم ان کی عزت کو ختم کر سکیں۔

جبکہ ہم ان کے ختم کی مجالس منعقد کرتے ہیں۔آپ کہہ سکتے ہیں یہ بات بھی غلط ہے یہ مجالس تو ایصال ثواب کے لئے منعقد کی جاتی ہیں۔اس کے لئے عرض ہے آپ کس چیز کا ثواب ان کو بھیج رہے ہیں آپ اور میں کیا اس حیثیت میں ہیں کہ ان کو ثواب بھیج سکیں۔ہمارے پاس کیا اختیار اور ذریعہ ہے ہمارے اعمال کا ثواب یا گناہ اس کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے اور پھر خصوصاً اس حال میں کہ ہمارے اعمال میں ان کو کوئی عمل دخل حاصل نہ ہو نہ ہم نے ان کی تعلیمات پر عمل کیا ہو نہ ان کے طریقے پر چلے ہوں نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ انہوں نے زندگی کس مقصد کے لئے گزاری وہ کیا ورثہ چھوڑ گئے۔کن کاموں کے کرنے کا حکم دے کر گئے۔ ہمارے اعمال کے پیچھے ان میں سے کوئی چیز بھی محرک نہ ہو تو ہمارے اعمال کا ثواب ان کو کیسے پہنچ سکتا ہے ہاں اگر دین پر چلنے کے لئے ہم نے ان کی تعلیمات پر عمل کیا ہوگا تو ہمارے اعمال ان کیلئے صدقہ جاریہ ہوں گے۔جن کا ثواب پہنچانے کا بندوبست اللہ ﷻ خود فرما دیں گے۔ہمیں کسی خاص دن ان کو ختم کرنے کی مجلس منعقد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ختم قرآن کا ہو یا بزرگوں کا مسلمانانِ پاکستان اس بارے میں شیطان کے اس طرح جھانسے میں آئے ہوئے ہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک کلچر وجود میں آ چکا ہے۔اور ان مجالس کے انعقاد کے نام پر ایک گروہ پاکستان میں بسنے والی امت مسلمہ سے کٹ کر عضوِ معطل بن چکا ہے۔جو امت مسلمہ کی اصلاح اور تعمیر میں مثبت رول ادا کرنے کی بجائے انہی محافل کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔

حضرات اول الذکر فتنہ کی ہمہ گیریت کا حال یہ ہے کہ کوئی گھر اور معاشرے کا کوئی فرد اس کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔فرمان نبوی کے مطابق جس طرح شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔اسی طرح شیطان کا پھیلایا ہوا بولتی ہوئی تصویروں کا فتنہ معاشرہ کی رگ رگ میں سرائت کر چکا ہے۔اس کا علاج فرمان رسول ﷺ کے مطابق صرف ایک ہے کہ قرآن

مجید کوانسان اپنے دل میں اتارے۔اگر قرآن دل میں ہوگا۔تو فتنہ چاہے جتنا شدید ہوگا۔انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔اس کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیهِم سُلطَانٌ وَکَفیٰ بِرَبّکَ وَکِیلاً ۔

(اسراء۔65)

ترجمہ: ''بے شک میرے بندوں پہ تمہیں (شیطان کو) کوئی اختیار نہیں۔تیرا رب کارساز کافی ہے''

اسی طرح ختم کی مجالس کا رواج پورے معاشرہ میں جس طرح پھیلا ہوا ہے اور لوگ اس کو جانتے ہیں۔ان مجالس کو معاشرہ میں تازہ روح پھونکنے کا ذریعہ بنا سکتے ہیں جب ان مجالس کا انعقاد ختم کی مجالس کی بجائے ان کا نام اس طرح رکھیں مثلاً مورخہ ـــــ مدرسہ ـــــ میں سال بھر میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کی تعلیمات کو آگے پھیلانے اور عمل پیرا ہونے کے لئے اتنے بجے تجدید عہد کی مجلس منعقد ہوگی۔آخر پیارے نبی ﷺ بھی تو قرآن مجید کی تعلیمات پر ایمان لانے والوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔اسی طرح فلاں بزرگ کے ختم کی مجلس کے اعلان کی بجائے یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں تاریخ کو فلاں بزرگ کی تعلیمات کو دہرانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے تجدید عہد کی مجلس ہوگی۔ان مجالس میں جائزہ لیا جائے کہ ہم نے ان پر کتنا عمل کیا اور کتنا نہیں کیا اور کمیوں کو پورا کرکے عزم جدید کیا جائے۔

ہمارے دین میں صحیح نام کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں اعمال کے کتنے نئے نام دیئے ہیں اور ان ناموں میں دین کے مقاصد کو پورا کرنیوالے معانی اور مطلب ڈالے ہیں اسی طرح کتنے افراد کے نام نبی کریم ﷺ نے بدلے ہیں اور ایسے نام رکھے ہیں کہ محض نام پر غور کرکے انسان کے دل میں انبساط اور خوشی کی کیفیت پیدا ہو جائے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بن جائے۔اور شکر ہی تو ہمارے دین کا نچوڑ ہیں۔حضرات محترم اگر ہم اللہ رب العزت کے فرمان عزیز کو قلب ونظر میں رکھیں گے تو شیطان کو سمجھ کر اس سے بچاؤ کر سکیں گے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں شیطان کی چالوں سے بچاؤ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)۔

سیرۃ النبی ﷺ

اور

ایک مسلمان کی ذمہ داریاں

انجینئر مختار فاروقی

جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے گزشتہ ماہ شبلی کالج گوجرہ میں ماھانہ خطاب کے پروگرام میں سیرۃ النبی اکے حوالے

سے ایک مسلمان کی ذمہ داریاں کے موضوع پر خطاب فرمایا تھا۔جسے ریکارڈ کر لیا گیاتھا۔اب آڈیو کیسٹ سے اتار کر قارئین "حکمت بالغہ" کے لئے شائع کیا جا رہا ھے۔

پروفیسر خلیل الرحمٰن

الحمدللہ وکفیٰ والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد ن المصطفیٰ ﷺ :اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تبارک وتعالی

هُوَالَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ

وقال تبارک وتعالی

کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡهَا

وقال اللہ تبارک وتعالی

وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

جس عظیم ہستی کا تذکرہ ہم کرنے چلیں ہیں ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ان کے امتی ہیں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نبیوں کو چنتا رہا ان کی ذمہ داری خلق خدا تک اللہ کا پیغام پہنچانا تھا اور ختم نبوت کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اے مسلمانوں تمہیں چنا ہے جیسے پہلے پیغمبر چنے جاتے تھے ان کی اپنی مرضی نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی درخواست یا APPLICATION کا معاملہ ہوتا تھا یہ اللہ کا اجتباء اور فیصلہ ہوتا تھا اور جو کام ان سے لینا ہوتا تھا اس کی صلاحیتیں بھی اللہ ان کو دیتا تھا ان پیغمبروں میں آخری ــــــــــــ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اب ختم نبوت کے بعد اللہ نے اس امت کو اس کام کیلئے چنا ہے جس میں مَیں اور آپ شریک ہیں اسی لئے قرآن مجید میں الفاظ ہیں ھُوَاجْتَبٰکُمْ اس اللہ نے تمہیں چنا ہے پسند کیا ہے۔ شاید آپ سوچیں گے کہ یہ اللہ نے جو اجتباء کیا ہے وہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی طرف سے ہمارے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے ہم اگر یہ سوچیں تو ہمیں احساس ہوگا کہ اللہ نے ہمیں مسلمان کے گھر پیدا کیا ہے یہ اجتباء کا پہلا مرحلہ ہے اگر ہم میں سے کوئی غیر مسلم کے گھر پیدا ہوتا تو وہی کچھ ہوتا جو وہ ہے اپنی مرضی سے SELFSTUDY کر کے اور تقابل ادیان کا مطالعہ کے بعد کوئی مسلمان ہوتا تو ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے کی صورت میں معاشرے اور برادری کا بائیکاٹ اور بہت سی پریشانیاں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا اس قسم کے بڑے مراحل ہیں جن میں سے بہت ہی کم لوگ کامیاب ہوکر گزرتے ہیں اللہ نے یہ مرحلہ ہمارے لئے پہلے ہی طے کر دیا مسلمان کے گھر پیدا کر دیا۔ پھر مسلمان تو بہت سارے ہیں اللہ نے ہمیں توفیق دی ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں یہ ایک اور اجتباء ہوگیا۔ باعمل ہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اللہ نے ہمیں دین کا شعور دیا ہے، ساری دنیا میں اندازاً ایک سو چالیس کروڑ مسلمان ہیں ان میں سے کتنے ہوں گے جنہیں کلمہ آتا ہے قرآن کی عظمت واہمیت کا احساس ہے دین کا شعور رکھتے ہیں اللہ نے ہمیں ان چند لوگوں میں سے بنایا ہے پھر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ دیا پھر احساس دیا ہے کہ ہمیں دین کا کوئی کام کرنا چاہیے تبھی تو یہاں جمع ہوئے ہیں تو یہ درجہ بدرجہ کئی قسم کا اجتباء ہے جو ہمیں حاصل ہے ھُوَاجْتَبٰکُمْ ۔ جو شخص کسی غیر مسلم کے گھر پیدا ہوا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے اور قسم کا سوال کریں گے اور مجھ سے اور آپ سے اور قسم کا سوال ہوگا کہ تم

تو اللہ ﷻ کو آخرت کو محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن کو مانتے تھے پھر تمہارے اعمال میں اور جو غیر مسلم کے گھر پیدا ہوا اس کے اعمال میں کوئی فرق کیوں نہیں ہوا؟ تم تو مانتے تھے تم نے اس دین کو آگے کتنا پہنچایا؟ تو اللہ ﷻ نے ہمیں چنا ہے اور اجتباء کیا ہے یہ اس کا عطا کردہ اعزاز ہے اللہ ﷻ جس کو یہ اعزاز دیتا ہے پھر اس کا محاسبہ بھی اتنا ہی ہوتا ہے ہمارا اللہ کے ہاں ایک سخت محاسبہ ہونے والا ہے کاش کہ ہم اس کا احساس کر سکیں۔

سیرۃ النبی پر گفتگو کرتے اور سنتے ہوئے اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھی قرآن کے مطابق حق بات کہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور آپ کو بھی سننے اور عمل کرنے کی توفیق دے، اگر ہم اس کو ذہن نشین کر کے اس پر عمل کر سکیں تو اس سے اعلیٰ کام دنیا میں کوئی نہیں ہے اس میں جتنی صلاحیتیں لگائی جا سکیں جتنا وقت لگایا جا سکے جتنی دماغ سوزی کی جا سکے جتنا پیسہ لگایا جا سکے اس میں گھاٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ——————— یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں ہے۔ جب اسلام غالب ہو جائے گا سب مان جائیں گے لیکن بالفرض ہماری محنت کا دنیا میں کوئی نتیجہ نہ نکلے تب بھی آخرت کے اعتبار سے ہمارا کوئی نقصان ہے ہی نہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اجتباء جو اللہ نے کیا ہے ہمیں اس کی ذمہ داریوں کا احساس اور ادراک اور شعور کرنا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اسی اجتباء کا حصہ ہے کہ ہم سیرۃ النبی کے حوالے سے یہاں جمع ہیں، گفتگو کرنا اور سننا ایک ہی ہے آپ نے مجھے موقع دیدیا ہے تو میں آپ کے سامنے گفتگو کر رہا ہوں اگر کوئی اور کر رہا ہوتا تو میں بھی سن رہا ہوتا ان ذمہ داریوں کو اب ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے جو ایک سچے امتی کی حیثیت سے ہمارے کاندھوں پر آ پڑی ہیں اور اللہ نے ہمیں اس کام کے لئے آگے کھڑا کر دیا ہے اللہ نے اجتباء کیا ہے اور امت مسلمہ میں پیدا کر کے دنیا کے سامنے کھڑا کر دیا ہے کہ یہ ہمارے بندے ہیں یہ تمہیں بتائیں گے کہ دین کیا ہوتا ہے اور کچھ پوچھنا ہو تو ان سے پوچھ لینا اور ان کو دیکھ دیکھ کر چلتے رہنا اب ہم یہ فرض کتنا ادا کرتے ہیں اور کتنا نہیں کرتے یہ وقت بتائے گا اور بتا رہا ہے کہ کون کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا ہے۔ سیرۃ النبی کا جہاں تک تعلق ہے کہ یہ کام کیسے کرنا ہے قرآن مجید یہ بتاتا ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے یہ کام کیا اسی طرح تمہیں بھی کرنا ہوگا وكذلك جعلنٰكم امة

وسطا لتکونوا شھداء علی الناس تمہاری ذمہ داری ہے کہ دین پہنچاؤ ساری دنیا میں ویکون الرسول علیکم شھیدا اور محمد ﷺ دین پہنچائیں تم تک جیسے انہوں نے پہنچایا تم تک اسی طرح تم آگے پہنچاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لئے نمونہ اور اسوۂ حسنہ تو ہے ہی اس کے بہت سارے پہلو ہیں انسانی زندگی کے پہلو(WALKS OF LIFE) اتنے زیادہ ہیں کہ ہم ایک نشست میں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتے پھر آج سے ایک ہزار سال پہلے شاید ایک آدمی سارے شعبوں میں رائے رکھ سکتا ہوگا لیکن آج تو شعبے ہی اتنے ہیں کہ کسی ایک شعبے میں اس کی سب برانچ کی برانچ میں P.H.D کر کے انسان ساری زندگی کھپا دیتا ہے زراعت میں کتنے شعبے ہیں ٹیکسٹائل میں انجینئرنگ میں میڈیکل میں فلسفے میں اور نامعلوم کتنی شاخیں ہیں، آج ہر شعبہ میں علم بہت زیادہ آگے بڑھ چکا ہے حضور ﷺ کی جو رہنمائی ہے وہ ہر شعبے میں موجود ہے اور انسان جس دور میں جہاں تک پہنچتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی اس سے آگے کی ہوتی ہے آدمی سوچتا ہے کہ واقعی رہنمائی اس کا نام ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے میں اس وقت جو بات کرنے چلا ہوں ایک گوشے کی طرف اشارہ ہے۔رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے چھٹی صدی عیسوی 571ء میں آپ کی ولادت ہے 610ء میں آپ پر وحی کا آغاز ہوا اور جون 632ء میں آپ کی وفات ہوئی ہے چھٹی صدی ختم ہو رہی تھی اور ساتویں صدی شروع ہو رہی تھی۔غور کرنے کی بات ہے کہ جب آپ تشریف لائے تو دنیا کی کیا حالت تھی؟ آپ میں سے اکثر جانتے بھی ہوں گے کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی پھر آپ نے 23 سال محنت کی 610ء سے لے کر 632ء تک، 22 سال کچھ مہینے شمسی اعتبار سے ہیں اور 23 سال قمری اعتبار سے ہیں، 23 سال کوئی لمبا عرصہ نہیں ہے جو بڑی عمر کے لوگ ہیں وہ پیچھے 23 سال دیکھیں تو سن 1984ء بنتا ہے تو ابھی کل کی بات لگتی ہے 23 سال محنت کی ہے اور ایک انقلاب برپا کر دیا ہے اور انقلاب بھی کوئی چھوٹا موٹا نہیں یا کسی ایک شعبہ میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب برپا کیا۔ہر چیز بدل گئی وہ لوگ جو اس وقت حیات تھے بعد میں انہوں نے دیکھا کہ اس انقلاب نے زندگی کے ہر پہلو کو بدل کر رکھ دیا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا تھا۔وہ تبدیلی کیا تھی وہ تبدیلی خلافت راشدہ میں نظر

آتی ہے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 11 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہے اور اگلے 30 سال جو ہیں وہ خلافت راشدہ کا دور کہلاتا ہے دراصل اس دور میں اسلام پھیلا ہے اور اسلام کی برکات سامنے آئی ہیں کہ اگر مسلمانوں کے ہاتھ میں معاملات ہوں اجتماعیت کے فیصلے ہوں حکومت ہو حکومتی ادارے ہوں تو پھر معاشرہ کیسے بنتا ہے کیا خوشبو ہے جو اس معاشرے سے آتی ہے کردار کی اخلاق کی اطوار کی اور حقوق کی ادائیگی کی۔ دنیا گواہ ہے کہ ان 30 سالوں کے کیسے معاملات تھے آج تک شاید خلافت راشدہ کے اس دور کے معاشرے کی مثال نہیں پیش کی جاسکی اور شاید آئندہ بھی ناممکن ہو۔ اس وقت میں آپ کے سامنے بات کرنے چلا ہوں وہ یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو تبدیلی لائے کہ ایک معاشرہ جو پہلے سے عرب میں موجود تھا اور 23 سال کی محنت کے بعد اسی معاشرے کو کوئی چیز گھول کر پلائی کہ لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل گئی ان کی سوچ بدل گئی ان کا کردار بدل گیا ان کا نقطہ نظر بدل گیا اور ان کے شب و روز بدل گئے ان کی HOBBIES بدل گئیں ان کی راتیں بدل گئی اور ان کے دن بدل گئے ان کا دل بدل گیا اور ان کا دماغ بدل گیا یہ کیسے ہو گیا بتائیں؟ 23 سال کیا ہیں ہم میں سے کتنے ہی ہیں جو 46،46 سال گزارے بیٹھے ہیں دو دو دفعہ 23،23 سال گزارے بیٹھے ہیں شعوری زندگی میں لیکن رسول اللہ ﷺ

نے وہ کام کیسے کردیا کیا طریقہ کار تھا کیا محنت تھی کیا کوشش تھی پہلے کیا تھا اور

بعد میں کیا تھا کہاں سے کام شروع کیا تھا اور کہاں سے ہوتے ہوئے کہاں تک پہنچا دیا یہ وہ بات ہے جو آج ہمارے لئے بہت ہی غور طلب ہے۔

آج کے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے کہاں سے کام شروع کرنا چاہیے یہ تو عملی سوالات ہیں ان پر بعد میں ہم خود سوچیں گے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی سی توجہ اس وقت کے معاشرے پر دی جائے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز چھٹی صدی عیسوی میں ہوا یہ جو شمسی کیلنڈر ہے جس کا اب 2008 ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے چل رہا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ 33 سال انہوں نے زندگی گزاری اور ہمارے عقیدے کے مطابق رفع آسمانی ہو گیا عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ انہیں سولی دے دی تھی اہلسنت کے عقیدے کے مطابق وہ زندہ ہیں۔ اس کے بعد 33 عیسوی سے لے کر 610 عیسوی تک کا جو دور ہے اس میں پوری دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا قرآن کہتا ہے۔ اس عرصہ میں دنیا کی جو حالت تھی ویسے تو سب جانتے ہیں مَیں چند منٹوں میں اس کی طرف اشارہ ہی کر سکتا ہوں۔ اللہ کے پیغمبر رہنمائی کے لئے ہی آتے تھے ایک معاشرے میں پیغمبر تشریف لاتے لوگوں کی رہنمائی کرتے ان کو نیکی کی طرف بلاتے برائی سے روکتے معاشرے میں محنت کرتے کچھ لوگ ان کے حواری بن جاتے اور کچھ صحابی پھر وہ اپنے کردار سے معاشرے کو روشن کرتے وہ ایک مثال بن جاتے اسی طرح پھر اور نبی آجاتے یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ واحد نبی ہیں جو چھ سو سال کے بعد آئے چھ صدیوں کا فرق ہے اس زمانے کی 6 صدیاں جبکہ (MEANS OF COMMUNICATIONS) اتنے زیادہ نہیں تھے، دنیا میں ہدایت نام کی کوئی چیز شاید کتابوں میں ہو تو ہو عملاً کچھ نہیں تھا ان کتابوں کے اندر بھی بہت ساری تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اس وقت دنیا میں تہذیب کے جو مراکز تھے آپ میں سے کئی لوگ

بہتر جانتے ہوں گے یونان اس وقت علم وتہذیب کا مرکز تھا یہاں ارسطو افلاطون سقراط بقراط وغیرہ بہت سارے فلاسفر آئے ہیں ایران بھی اس وقت مرکز تھا یہاں بڑی بڑی حکومتیں تھیں تیسرا مرکزعلم کا گہوارہ یہ ہندوستان تھا جس کو SUB-CONTINENT کہا جا تا ہے چوتھا مرکز چین تھا دنیا میں چین تو ہمیشہ دنیا سے کٹا رہا اس کے بہت کم حالات معروف دنیا کے سامنے آئے ہیں لیکن ہندوستان ایران اور یونان ان کی جو ذہنی حالت تھی وہ اہل علم سے تو پوشیدہ نہیں ہے لیکن اگر آپ اس مسلّمہ اصول کو سامنے رکھیں کہ انسان کے جو عقائد اور سوچ وفکر ہوتی ہے وہی اس کی عملی زندگی میں اس کی ثقافت میلے ٹھیلے اور خوشی غمی سے ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اہلحدیث مسلک کا جو ہمارا بھائی ہے اس کے ہاں خوشی کا موقع ہو مثلاً بچہ پیدا ہوا یا امتحان میں پاس ہوا شادی ہے یا عید ہے یا غمی کا کوئی موقع آ جائے تو وہ اور طریقے سے منائے گا اس لئے کہ ان کے ہاں اور سوچ ہے اور جو ہمارا بریلوی بھائی ہے اس کے ہاں غمی خوشی کا کوئی موقع آ جائے وہ اور طرح سے منائے گا زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے اس لئے کہ آدمی کے ذہن میں جو نقشہ ہوتا ہے جو سوچ وفکر اور عقائد ہیں اسی سے معاشرے کی ثقافت بنتی ہے ان کی خوشیاں غمیاں میلے ٹھیلے شاعری اور مل جل کر بیٹھ کر جو کچھ کیا جاتا ہے گپیں لگانا اور ایک دوسرے کا دل بہلانا یعنی ENTERTAINMENT جو ہے اس سب کا انداز ہی بدل جاتا ہے یہ میں آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ یونان کا آپ اندازہ کریں ان کی جو سوچ تھی اب آپ کے سامنے اس تھوڑے سے وقت میں بیان نہیں کر سکتا لیکن ان کی تہذیب وثقافت ظاہر کر رہی ہے کہ ان کی سوچ کیا تھی اس سے زیادہ سوچ نہیں ہے کہ چوکوں میں ننگے بت لگا دیے جائیں اور عبادت گاہوں میں بھی ننگے بت سجا دیئے جائیں بڑے بڑے بُت عورت کے بھی اور مرد کے بھی اور دیوتاؤں کی مورتیاں بنا کر رکھ دی جائیں گھروں میں بھی وہی ڈیکوریشن تھی یونان کا یہ حال تھا آج بھی دیکھ لیں ان کے بہت سے بت مشہور ہیں ان چوکوں میں ابھی بھی پرانے شہروں میں لگے ہوئے ہیں وہی ننگے انسانوں کے مجسمے تو گویا کہ ان کے دماغ میں یہ نہیں تھا کہ کائنات کیا ہے کس نے پیدا کیا ہے مرنے کے بعد کیا ہوگا زندگی کیسے گزارنی چاہیے، بس ان کی ساری سوچ بے حیائی اور فحاشی عریانی کھاؤ کماؤ جانوروں کی طرح زندگی

گزارو اس سے آگے نہیں تھی اخلاق وکردار تو بہت دور کی بات ہے۔ ہندوستان میں کیا تھا پہلے زمانے میں شاید عام آدمی نہیں جان سکتا تھا اب تو پریس کا اور خاص طور پر انٹرنیٹ کا زمانہ ہے اب تو دنیا کی ہر چیز تک رسائی ہے علم اب یہاں تک آ گیا ہے کہ انسان کی جو مطالعہ کی میز ہے وہاں پر ساری دنیا ہے ہندوؤں کی جو ثقافت ہے وہ اتنی گھٹیا اتنی گندی اتنی گری ہوئی کہ جتنا آپ سوچ سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی دس گنا زیادہ گری ہوئی ان کے مندروں میں ننگے بت ہیں جین مت بدھ مت کے مندر اور کبھی ٹیکسلا میں جا کر دیکھ لیں ان کا سٹوپا موجود ہے اس میں کیا تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اب میں اس کی تفصیل کیا بتاؤں کہ ان کی سوچ ان کا مذہب اور ان کی ویلیوز یہی کچھ تھیں سومنات ان کا بہت بڑا مندر تھا وہاں بت ہی تھا اور پاکستان میں بھی ان کے مندر موجود ہیں ہندوستان میں جو ان کے پرانے مندر ہیں ان میں اتنی اخلاق باختہ اور اتنی گری ہوئی ان کی فنکاری ہے کہ شریف آدمی ان کو دیکھنا بھی پسند نہ کرے یہ ان کی سوچ یا مذہب تھا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ چھوٹا بچہ کو بچپن سے ہی مسجد لے جاؤ تا کہ ابھی سے اس کا ذہن بنے جو ہمارے عقائد ہیں دین ہے آخرت ہے اس کے مطابق، تو جب وہ اپنی عبادت گاہ میں بچے کو لے جاتے ہیں۔ کیا کرتے ہوں گے باپ بیٹی کو جین مندر میں لے جاتا ہوگا تو کیا دکھا تا ہوگا کراچی میں جین مت کا مندر ہے جو انسانی پوشیدہ اعضاء ہیں ان کو پوجتے ہیں ان کی کیا سوچ ہے وہ کیا سکھاتے ہیں آپ ذرا غور کریں۔ اسی طرح دنیا کے جو اور مذاہب ہیں ان کا بھی حال یہی تھا ان کی جو بھی سوچ اور عقیدے تھے اس کا حاصل یہی تھا کہ یہ ہماری ثقافت ہے کہ یہ خوشی ہے یہ غمی ہے، یہ عبادت ہے، یہ یہ ہے، یہ یہ ہے، یہی کچھ ساری دنیا میں ہو رہا ہے اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ توحید ایک اللہ کو ماننا اور ایک اللہ کی پوجا کرنا دنیا میں کتنا ناپید تھا، اور اتنی بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ عرب بھی ان چیزوں سے بچا ہوا نہیں تھا اگر چہ ان میں کوئی فن نہیں تھا اسی لئے عرب کافی عرصہ تک تہذیب کا مرکز نہیں تھا جب رسول اللہ ﷺ آئے اس سے پہلے کئی صدیوں سے یہ ریگستان کا علاقہ تھا کوئی ترقی اور کوئی خوشحالی اور اسی طرح جن ذرائع سے وافر پیسے آتے ہیں اور تعمیرات ہوتی ہیں محلات بنائے جاتے ہیں آسائشیں سہولتیں حاصل ہوتی ہیں یہ وہاں نہیں تھا اس کے باوجود کعبے میں تین سو ساٹھ بت سجا دیئے گئے تھے اس لئے کہ جہاں معاشرہ وحی سے اور پیغمبروں سے کٹتا ہے

اللہ سے اس کا رشتہ کٹ جاتا ہے پھر وہاں انسان اتنا گرتا ہے کہ پتھر کے ٹکڑوں کو سجدہ کرتا ہے اللہ کی طرف سے ان کی سوچ پر ان کی عقل پر کوئی ایسی سزا آتی ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے حیوانوں سے بھی زیادہ گر جاتا ہے۔ اللہ کے اس گھر میں جو اللہ کی توحید کے لئے بنایا گیا تھا اس کے متولی مانتے تھے کہ اللہ ایک ہے یہ اللہ کا گھر ہے اور وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے تھے اللہ کا نام بھی لیتے تھے لیکن عملاً یہ کچھ تھا کہ طواف میں بھی بتوں کے نام لئے جاتے تھے اللہ کا نام بھی اس کے ساتھ لیتے تھے۔ آپ مطالعہ کریں آپ کو اندازا ہو جائے گا COMPARATIVE RELIGIOW کی کتابیں ایم اے اسلامیات میں ہوتی ہیں ان کو پڑھایا جاتا ہے اور مزید آپ کوشش کریں تو لائبریریوں میں بھی مل جائے گا کہ اُس وقت لوگوں کے عقائد کے نتیجے میں جو ثقافت دنیا بھر میں بنی ہوئی تھی وہ کیا تھی؟ جب اسلام آیا ہے تو اس نے ساری کایا ہی پلٹ دی خلافت راشدہ کے دور میں جو تبدیلی آئی وہ کیا تھی خلافت راشدہ پر بعد میں گفتگو کروں گا جو بہت بعد کے ہمارے بادشاہ ہیں حضور ﷺ سے ہزار سال بعد یا بارہ سو سال بعد ہماری تاریخ میں جو بادشاہ گزرے ہیں صاف ظاہر ہے ہزار سال میں تو ہم اسلام سے بہت دور چلے گئے تھے لیکن ان کے ہاں بھی آپ کو یونانی یا ہندوؤں والی سوچ کہیں نہیں نظر آئے گی اسلام کا اثر ہے اور محمد ﷺ کی تربیت کا نتیجہ ہے، ہندوستان میں اکبر بادشاہ تھا جس نے دینِ الٰہی جاری کر دیا تھا جو اہل نظر ہیں وہ تو اس کو مرتد ہی کہتے ہیں کہ اس نے محمد ﷺ کے دین کے مقابلے میں اپنا نیا دین ایجاد کر لیا وہ ہندوؤں کو بہت محبوب ہے کہ وہ مغلِ اعظم ہے ہندو بھی سب سے زیادہ جس کو اچھے نام سے یاد کرتے ہیں وہ اکبر ہے اور اورنگ زیب جو ہمارا محسن ہے جس نے اسلام نافذ کیا فتاویٰ عالمگیری لکھوایا اور اسلام کے مطابق کے عدالتیں چلائیں اور بہت سارا کام کیا وہ ہندوؤں کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت شخص ہے اس لئے کہ ان کے جو منصوبے تھے ان میں رکاوٹ ہی وہ بنا۔ اورنگ زیب نے پچاس سال حکمرانی کی لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے اتنے بڑے علاقے کا حکمران ہونے اور پچاس سال حکمرانی کرنے کے باوجود وہ شخص حج کو نہیں جا سکا کون سلطنت چھوڑ کر جائے اور دوسرا یہ کہ دہلی دارالحکومت تھا پچاس سال میں سے پچیس سال وہ دکّن میں رہا ہے ہیڈ کوارٹر سے دور وہاں مرہٹوں کے ساتھ پچیس سال جنگوں میں مشغول رہا ہے پچیس

سال وہ دہلی نہیں آ سکا وہیں بیٹھ کر حالت جنگ میں نظام حکومت چلاتا رہا پچیس سال بعد وہ دہلی واپس آیا چونکہ اس نے مرہٹہ سازش کچل دی تھی اسی لئے ہندو اس کو لعنت طعن کرتے رہتے ہیں اور اکبر کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ یہ میں اس لئے بات کر رہا ہوں کہ اس اکبر کا مزار (جو ہمارے نزدیک کتنا برا شخص ہے) مرتد ہو گیا تھا نیا دین ایجاد کر لیا تھا اس کے مزار میں بھی آیات لکھی ہوئی ہیں اور اس کی قبر پر بھی شاید آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے کوئی ہاتھی کا بت، کوئی انسانی بت یا کوئی انسانی تصویر اکبر کا بت ہی لگا دیا گیا ہو ایسا نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور جو سوچ ان کے ذہن میں ہے جس کے نتیجہ میں یہ چیزیں وجود میں آتی ہیں اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ باقی جو بھی وہ کرتا رہا لیکن اکبر جیسے آدمی کے مزار میں بھی ہندو آج تک بت نہیں سجا سکے، اورنگ زیب اور دوسرے مسلمان جو بہت اچھے لوگ تھے وہاں کیسے ہو سکتے تھے۔ تو یہ محمد رسول اللہ کے گیارہ سو سال بعد کی بات ہے خلافت راشدہ میں کیا تھا اس میں جو انسانی سوچ کی "PURITY" اور "CHASTITY" ہو سکتی ہے اور انسانی عقائد کے مطابق جو مثالی معاشرہ ہو سکتا ہے جس میں انسان کی عظمت کا احساس ہو انسانی مساوات کا احساس ہو مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں کہیں ظلم نہ ہو زیادتی نہ ہو کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو اور ایک دوسرے کو گالی نہ دی جائے اور کسی کو گھٹیا نہ سمجھا جائے ہر آدمی کو انصاف میسر آئے کوئی بھوکا نہ سوئے یہ جو انسانی VALUES ہیں ادب ہو احترام ہو پردہ ہو شرافت ہو یہ اگر اپنی انتہائی درجے میں تاریخ انسانی میں دیکھنی ہے تو وہ خلافت راشدہ ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ڈھائی سالہ دور تو استحکام حکومت میں گزر گیا میں ہی گزر گیا دس سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکومت کی اور بارہ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور یہ جو تیس سالہ دور خلافت ہے اس میں جتنی آپ تعریف کر سکیں کہ انسانی معاشرہ ایسا ہونا چاہیے یا جتنا کچھ آپ سوچ سکتے ہیں کہ جہاں انسان رہتے ہوں وہاں انسانوں کی بہتری کے لئے اچھائی کیلئے ویلفیئر کے لئے ایک دوسرے کے احترام کے طور پر جتنا کچھ آپ سوچ سکتے ہیں وہ سب کچھ وہاں تھا یہ ہے اصل کارنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، دنیا کہاں تھی اور 23 سال میں کوئی تحصیل یا ڈسٹرکٹ لیول پر کام نہیں کیا سعودی عرب جو ہے وہ پاکستان سے کئی گنا بڑا ہے اور خلافت راشدہ میں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

دور میں مکران اور افغانستان تک اسلامی فوج آ چکی تھی اور ادھر مصر لیبیا سے آگے الجزائر تک فتوحات ہو گئی تھیں' اتنے بڑے علاقے میں اسلامی معاشرہ قائم کر کے دکھایا ہم سوچتے نہیں ہیں کمپیوٹر نہیں کرتے خلافت راشدہ کے دور میں مدینہ کے اندر جو نظام تھا وہی دور دراز علاقوں میں بھی تھا۔ ہر جگہ ایک ہی نظام تھا یہ نہیں ہے کہ مدینہ والوں کو زیادہ کچھ میسر تھا اور باقی سب جگہ لوٹ کسوٹ تھی آج امریکہ سے ہمیں جو دکھ ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ کی اپنی 53 ریاستیں ہیں اب وہاں انہوں نے ساری دنیا کو لوٹ کر بڑا امن وسکون بنایا ہوا ہے سڑکیں سہولیات اور عدالتیں اور بڑا پیسہ ہے بڑے فخر کے ساتھ دوسروں کو دکھاتے ہیں کہ یہ ہمارا نظام ہے ٹھیک ہے ہوگا افغانستان بھی تو تم نے فتح کر لیا ہے اس کو تم اپنی 54 ویں سٹیٹ بنا لیتے یہاں بھی وہی نظام لاتے جو امریکہ کا ہے تو شاید ہمیں اتنا دکھ نہ ہوتا کہ چلو بندے تو نہیں مر رہے آرام سکون سے ہیں اور عراق کو فتح کیا ہے تو عراق اس کی 55 ویں سٹیٹ ہو جاتی وہاں بھی امن وسکون ہوتا کسی سے کوئی زیادتی نہ ہوتی کسی کی عزت نہ لٹ رہی ہوتی کسی کا قتل نہ ہو رہا ہوتا عدل ہوتا انصاف ہوتا عدالتیں کام کر رہی ہوتیں تو شاید دکھ آدھا ہو جاتا لیکن یہاں لوٹ کھسوٹ کا نظام ہے اور اپنے ہاں نظام اور ہے اور دوسروں کیلئے معیارات اور ہیں خلافت راشدہ میں ایسا نہیں تھا بلکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ مسلمان افواج نے ایک علاقہ فتح کیا اور اس کو اپنے انتظام میں لیا اور وہاں ساری اصلاحات نافذ کیں عدالتیں قائم کیں اور ان سے ٹیکس وصول کیے اور پھر کسی وجہ سے وہاں سے پیچھے ہٹنا پڑا علاقہ خالی کرنا پڑا' دنیا میں ایسے ہوتا ہے کہ جو پیسہ لے لیا سو لے لیا لیکن مسلمانوں نے ان کو ٹیکسز واپس کیے کہ ہم نے تم سے یہ ٹیکس اس بنیاد پر لئے تھے کہ ہم تمہیں عدل انصاف عدالتی نظام پروٹیکشن فراہم کریں گے لیکن چونکہ کسی وجہ سے ہمیں واپس جانا پڑا ہے لہٰذا یہ تمہارے ٹیکس واپس، شاید دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہ ملے۔ یہ وہ نظام ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ لوگوں نے دنیا میں قائم کیا تھا یہ سوچ کہاں سے آ گئی یہ فکر کہاں سے آ گئی یہ تبدیلی کہاں سے آ گئی یہ کس نے سکھائی سارا کمال محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اگر آپ سوچیں کہ یہ کمال سارا محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا اب وہ سارے اصول اپنے ساتھ لے گئے اور ہمیں اب قرآن دے گئے ہیں کہ اللہ اللہ کرو تسبیح پکڑ کر ذکر کرو وہ جو تھا ساتھ ہی لے گئے وہ ہمارے لئے نہیں تھا تو یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی

تعریف نہیں ہے بلکہ یہ توہین ہے۔ یہ جو رسول اللہ ﷺ خلافت کا نظام دے کر گئے تھے کہ انسانی معاشرے میں ایسی حکومت ہونی چاہیے ایسے سربراہ مملکت ہونا چاہیے یہ معاملات ایسے ہونا چاہیے یہی اصل میں فیض ہے رحمۃ للعالمینی کا اللہ نے فرمایا وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہم نے تو سارے جہاں کے لئے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے ایسا نظام دے کر بھیجا ہے کہ اگر اس میں کوئی غیر مسلم بھی رہے تو اسے امن سکون اطمینان احترام جان و مال اور ہر چیز کی اس کو گارنٹی دی جاسکے اسلام قبول نہ بھی کرے تو کوئی بات نہیں لیکن انسانی وقار عزت مساوات اس کو بھی میسر ہوں گی یہ اعزاز خلافت راشدہ میں غیر مسلموں کو بھی میسر تھیں یہ تو آج کا دور ہے ہم ان باتوں کو سوچتے نہیں ہیں دیکھو ہم 2008 میں بیٹھے ہیں جو کہ ٹیکنالوجی کا دور ہے کمپیوٹر، انٹرنیٹ کا دور ہے INFROMATION TECHNOLOGY ہے۔ ایک سیکنڈ میں نامعلوم کتنے G B انفارمیشن ٹرانسفر ہو رہی ہے اور سیکنڈوں میں خبر یہاں سے وہاں (بمعہ تصویر) پہنچ جاتی ہیں بی بی سی پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹے بعد یہاں سے ہمارے کسی واقعے کی تصویر جاری کر دیتا ہے ترقی کے اس دور میں بھی امریکا میں سارے لوگ رجسٹرڈ نہیں ہیں سو فیصد کے پاس شناختی کارڈ نہیں ہے ابھی پچھلے دنوں خبر آئی کہ اٹھارہ لاکھ ایسے غیر ملکی آدمی ہیں جو چھپے پھر رہے ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی حساب کتاب ہی نہیں ہے امریکہ جیسے ملک میں 2008 یا 2007 میں رجسٹریشن مکمل نہیں ہے جبکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور کا اندازہ لگائیں چودہ سو سال پہلے کی بات ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں زکوٰۃ کا نظام نافذ تھا دین کا حکم ہے نافذ کرنا ہی تھا آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور جہاں تک نافذ تھا ہر آدمی کی رجسٹریشن لازم ہے کیونکہ یا تو کوئی شخص زکوٰۃ دینے والا ہوگا یا لینے والا ہوگا ASSESSMENT کے بغیر تو گزارہ ہے ہی نہیں تیسری کوئی شکل ہی نہیں ہے یا آپ لینے والے ہیں یا دینے والے ہیں تھوڑے ہوتے ہیں جو نہ لیتے ہیں نہ دیتے ہیں ہر آدمی کی پراپرٹی کی ASSESSMENT ضروری ہے دنیا کا کوئی آدمی شاید یہ نہیں کہہ سکتا کہ جی وہ صرف مدینہ میں نافذ تھا باقی کہاں نافذ تھا ہر جگہ سے زکوٰۃ کی ASSESSMENT ہو رہی تھی اور وصول کی جا رہی تھی زکوٰۃ اصلاً لیتی ہی گورنمنٹ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک حکومت ہی ہر طرح زکوٰۃ وصول کر رہی تھی اور آپ اندازہ لگائیں کہ

سارے لوگوں کی ASSESSMENT ہوتی تھی کوئی نہ کوئی ریکارڈ تھا میں اس کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا لیکن حمید اللہ صاحب نے اپنے مقالات میں لکھا ہے جو خطبات بہاولپور کے نام سے مطبوعہ موجود ہیں کہ ہر آدمی کا ایک ریکارڈ تھا کہ یہ آدمی زکوٰۃ دینے والا ہے اور یہ لینے والا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک تبدیلی لائی گئی' قرآن کی کسی آیت میں کوئی خاص تشریح کرکے اضافہ کردینا یہ اللہ کے رسول نے بھی کیا ہے خلافت راشدہ میں بھی ہوا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ فیصلہ ہوا کہ اب مملکت اتنی پھیل گئی ہے اور ہماری خلافت کے معاملات اتنے وسیع ہو گئے ہیں کہ اب زکوٰۃ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑ جائے گا اس لئے یہ تقسیم کی گئی کہ ایک زکوٰۃ ہے جو کہ پراپرٹی پر کاروبار پر ہوگی دکان، کاروبار، جائیداد، کھیت، ریوڑ ہیں جس کو سرکاری نمائندہ CHECK کرسکتا ہے جیسے آج کل ہمارے ہاں ملیں اور گودام ہیں انکم ٹیکس ایکسائز والے آتے ہیں اور دیکھتے ہیں چیکنگ کرتے ہیں۔ ملوں کو وہ دیکھتے رہتے ہیں یہ ایک قسم کی زکوٰۃ ہے اس کو ''اموال ظاہرہ'' شمار گیا ہے اور دوسری قسم کی زکوٰۃ، یہ انسان کی پرسنل زکوٰۃ کہ یہ اموال باطنہ ہیں باطنہ کا معنی چھپی ہوئی ہے۔ آپ کے گھر میں لاکھوں یا ہزاروں روپے پڑے ہیں سونا چاندی پڑا ہے یا ہیرے جواہرات پڑے ہیں یہ آپ کے گھر کا مال ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک یہ ہوتا تھا کہ لوگ جاتے تھے اور گھر کے مال اور تجارت کے مال سب کی ASSESSMENT کرکے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور لوگ دیتے تھے۔ لوگوں میں جذبہ تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں سلطنت اتنی پھیل گئی مسائل زیادہ ہوگئے کہ زکوٰۃ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا اور وسائل بھی زیادہ ہوگئے تھے۔ اتنی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت لے گی اور جو اموال باطنہ ہے۔ وہ ہر آدمی خود SELF ASSESSMENT کرے' جو آپ میں سے انکم ٹیکس دیتے ہیں ان کو یہ اصطلاح سمجھ میں آئے گی' اور خود زکوٰۃ تقسیم کرے قریب میں اڑوس پڑوس میں یا برادری میں جو بھی غریب ہوگا اس کو تقسیم کریں گے جو اس میں سے بچ جائے اس کو حکومت کے خزانے میں جمع کروادیا جائے یہ اس وقت کی تقسیم تھی کہ جو خود ظاہر کررہی ہے کہ سب لوگ ASSESS ہوتے تھے اور سب لوگوں کی ویلفیئر کا انتظام کیا جاتا تھا زکوٰۃ لی جاتی تھی تو تقسیم بھی کی جاتی تھی یہ خلافت راشدہ کا وہ مبارک دور ہے جس میں کوئی بھوکا

نہیں سوتا تھا کسی کی عزت نہیں لوٹی جاتی تھی چوری کے واقعات اکا دکا ہیں لیکن جو بھی کرتا تھا اس کو سزا ملتی تھی بڑا سے بڑا آدمی بھی نہیں بچ سکتا تھا۔ سمجھانے کی بات یہ ہے کہ یہ دور کیسے آ گیا یہ ساری تبدیلی کیسے آ گئی دنیا میں کوئی نمونہ تو تھا نہیں جس سے نقل کر لیا گیا ہو بلکہ یہ ساری تفصیلات اور یہ ساری سوچ قرآن میں موجود ہے سیرۃ النبی ﷺ میں موجود ہے اور یہی وہ بات ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو پڑھائی تھی سکھائی تھی ، یاد کرائی تھی اور ان کے روویں روویں میں داخل کر دی تھی اس میں 23 سال کا عرصہ لگا ہے، اب 23 سال کیسے گزرے ہیں یہ بھی سوچنے کی بات ہے ایک گھنٹے میں تو ساری بات نہیں ہو سکتی اشارات ہی ہو سکتے ہیں حضور ﷺ کا وحی کے آغاز سے پہلے کا جو چالیس سالہ دور ہے اس میں تو بہت کم واقعات ملتے ہیں اس لئے کہ دنیا پہچان نہیں سکی کہ آپ ﷺ کتنی بڑی شخصیت ہیں جو یہاں موجود ہیں لہٰذا ان کے حالات یاد رکھے ہی نہیں گئے چند واقعات ہیں کہ والدہ کا انتقال ہو گیا دادا کا انتقال ہو گیا ابوطالب کے پاس رہے بھیڑ بکریاں چراتے تھے پھر چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا کاروبار کیا شادی کی، حضور اکرم ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو شادی کی تھی اس کے بعد آپ نے بڑی پرسکون بہت آسودہ حالی کی زندگی گزاری مکے میں چند مکان تھے جو دو منزلہ تھے ان میں سے ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضور ﷺ کے پاس تھا، اس وقت کوئی نماز نہیں تھی کوئی روزہ نہیں تھا کوئی قرآن کی تبلیغ نہیں تھی، وحی سے پہلے کیا کرتے تھے خدمت خلق غریب لوگوں کے کام آتے تھے اللہ نے اولاد عطا فرمائی تھی چار بیٹیاں، گھر میں حضرت خدیجہ جیسی خاتون تھی آسودہ حالی کی زندگی گزاری لیکن حضور پریشان رہتے تھے کہ یہ کوئی زندگی نہیں ہے، آپ میں سے جو آسودہ حال ہیں وہ تو ہیں ہی لیکن جو آسودہ حالی کے قریب ہیں وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہر روز ناشتے میں انڈہ چنے پراٹھے دہی چائے چوتھی یا پانچویں چیز تو شاید ہی کبھی ہوتی ہے ہر روز روٹی مرغی اور پھل آسودہ حال لوگ جو ہیں وہ پریشان ہو جاتے ہیں ذرا سا بھی احساس ہو کہ یہ کیا ہے جہاں دعوت میں جاؤ جہاں ہوٹل میں جاؤ وہی چائے مرغی پیپسی کولا بس کھاؤ پیو آئسکریم کھا لو سموسے کھا لو اور دعوتیں اڑالو آدمی تنگ آ جاتا ہے یہ کیا زندگی ہے حضور ﷺ کو بھی یہی احساس تھا کہ کیا یہی زندگی ہے حضور ﷺ غار حرا چلے جایا کرتے تھے غور و فکر کرنے کیلئے کہ کیا ہونا چاہیے، دنیا میں تو ظلم ہو رہا ہے لوگوں کے

ساتھ زیادتی ہو رہی ہے کچھ پیسہ اڑا رہے ہیں اور کچھ کے پاس دو وقت کی روٹی کے پیسے ہی نہیں ہیں اُس وقت بھی یہ ہوتا تھا،کل ہی بات ہو رہی تھی کہ ایک قسم کی مچھلی ہے روسٹ کر کے ہزار روپے کلو ہے دھڑا دھڑ بک رہی ہے لاہور کراچی میں پہلے ملتی تھی اب جھنگ میں بھی ہے اور لائن لگا کر لوگ خرید کر جا رہے ہیں چار سو روپے تو عام ہی بک رہی ہے اس کا تو شمار ہی نہیں ہے جو غریب طبقے کے لوگ لیتے ہیں۔حضور ﷺ اسی کے بارے میں سوچتے رہتے تھے عبادت تو کوئی تھی ہی نہیں، اسی غار حرا میں آپ ﷺ پر وحی آئی اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا اللہ کی طرف سے ہدایت آئی ہے۔ پھر آپ اٹھے ہیں دعوت دی ہے سب سے پہلے آپ پر آپ کی اہلیہ ایمان لائی ہیں پھر آپ کے دوست حضرت ابوبکر ایمان لائے اور حضرت علی ایمان لائے جو گھر میں ہی رہتے تھے بارہ سال کی عمر تھی غلام نوکر ایمان لے آئے کہ آپ جو کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کسی کی اہلیہ کا اس کے مشن میں شریک ہو جانا یہ اس انسان کی امانت دیانت شرافت کی سب سے بڑی دلیل ہے اس لئے کہ خاص طور پر انسان کی اصلیت گھریلو زندگی میں واضح ہوتی ہے اکثر ضد، غصہ کا معاملہ ہو یا وعدے کرتے ہیں کہ یہ کپڑے خرید کر دیں گے یہ زیور لے دیں گے اور پھر اکثر وعدے پورے نہیں ہوتے ہیں یہ بیوی زیادہ جانتی ہے باہر شاید آدمی بہت شریف شمار ہوتا ہے کسی کی اہلیہ کا اس کے مشن میں شریک ہو جانا اور اس کی عظمت کو تسلیم کر لینا اس سے زیادہ اس کی عظمت کا کوئی اور ثبوت ممکن نہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ایمان لائے یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلے اس کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے پھر اسلام آگے پھیلا ہے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور پھر وہ دور بھی آیا ہے کہ PERSECUTION کا دور ہے پھر ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا آپ طائف تشریف لے گئے اور پھر وہاں جو کچھ ہوا وہ ہم سب جانتے۔ پھر آپ کے قتل کا منصوبہ تھا آپ کو قبیلے سے نکال دیا گیا اسی دوران آپ ﷺ کو معراج نصیب ہوئی ہے کہ دنیا آپ کی قدر نہیں جانتی اللہ کے ہاں تو آپ کا یہ مقام ہے پھر مدینے کے لوگ ایمان لائے ایک سال دو سال اور تین سال پھر مدینے کی طرف ہجرت ہو گئی ہجرت کے بعد پھر جنگ بدر ہے جنگ احد ہے جنگ خندق ہے جس میں وہ چودہ ہزار یا اٹھارہ کا لشکر لے کر ختم کرنے آئے تھے اور ناکام ہو کر دانت پیستے ہوئے لوٹے کہ ہم مسلمانوں کو کوئی

نقصان نہیں پہنچا سکے اور جب واپس گئے ہیں تو حضور ﷺ چودہ سو صحابہ کے ساتھ وہیں پہنچ گئے عمرہ کرنے کیلئے، یہ ان کے لئے ایک حیران کن بات تھی ان کے جو جوان تھے وہ کہہ رہے تھے کہ یہ چودہ سو آدمی گھر آ گئے ہیں ان کو مار دو لیکن وہ عمرے کے محترم مہینے تھے کیا کرتے اگر مارتے تو ساری دنیا طعنے دیتی وہ چاہتے تھے کہ مسلمان خود پہل کریں جنگ میں تاکہ مسلمانوں کو ماردیں لیکن حضور ﷺ نے ایسا سبق دیا ہوا تھا کہ صبر کرنا ہے تمہیں کوئی آرے سے چیر دے تم نے ہاتھ نہیں اٹھانا صحابہ نے صبر کیا ہے ان کو جنگ کرنے کا موقع نہیں دیا بالآخر ان کو صلح کرنی پڑی یہ رسول اللہ ﷺ کی بہت بڑی فتح تھی کہ تم ہمیں مدینے مارنے آئے تھے اور ہم تمہارے گھر سے ہو کر جا رہے ہیں تم نے کیا کر لیا ہمارا، باہر کے لوگ تو یہی دیکھ رہے تھے یہاں سے وہ TURNING POINT ہے دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی انہوں نے خود ہی کر دی حضور ﷺ نے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ فوج کشی کر دی جنگ تو ہوئی کوئی نہیں ان میں جان ہی نہیں تھی مکہ فتح ہو گیا سارے عرب پر اسلام غالب ہو گیا، حضور نے جو باہر خطوط لکھے ہیں اس کے نتیجے میں قیصر روم سے مقابلہ ہوا ایران کی سلطنت سے مقابلہ ہوا ہے حضور ﷺ کی زندگی میں یہاں تک اسلام کے معاملات آ گئے تھے پھر جو فتح مکہ کے بعد حضور کو فرصت ملی اس میں زکوٰۃ کا نظام آ گیا اور پھر احکام آ گئے اور نکاح طلاق کے مسائل وراثت کے مسائل آ گئے مزید برآں مسلمان جہاں جہاں تھے عملی نمونہ تھا خلافت راشدہ میں اس کی اور زیادہ برکات پھیل گئیں کہ ایک مسلمان معاشرہ کیسے ہوتا ہے۔ آج کا امریکا آپ لوگوں میں سے جن لوگوں نے بھی دیکھا ہے امن سکون ہے لوگ اسی کی تعریف کرتے ہیں اس سے سو گنا زیادہ امن اور سکون اور عدل انصاف تھا تو خلافت راشدہ میں تھا اور آج بھی ہم اگر اسلام پر عمل کریں تو وہی نقشہ آ سکتا ہے مثالیں موجود ہیں طالبان نے کر دیا تھا یہی تکلیف تھی امریکا کو کہ اگر طالبان جیسے لوگوں نے دنیا کو نمونہ دیدیا جو امریکہ سے بہتر ہے تو پھر دنیا ایسی ہی ہو جائے گی۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جاوید اقبال صاحب حیات ہیں علامہ اقبال کے بیٹے وہ دسمبر 98 میں پندرہ دن کے دورے پر کابل گئے تھے کہ ان کا عدالتی نظام STUDY کر کے آتے ہیں واپسی پر پشاور میں ان کی پریس کانفرنس تھی دسمبر 98ء کی اخباروں میں اب بھی موجود ہوگا کہ اگر طالبان جیسا نظام حکومت اور عدل انصاف کے دو تین مسلمان

ممالک ایسانمونہ پیش کردیں تو ساری دنیاازخود مسلمان ہوجائیگی یہ ریکارڈ پر ہے۔ یہ نظام ہے جو محمد ﷺ کی 23 سالہ زندگی میں محنت کے نتیجے میں غالب ہوگیا۔اس کا یہاں اس تھوڑے وقت میں احاطہ ممکن نہیں ہے میری آپ سے درخواست یہ ہے کہ آپ سیرت النبی کا مطالعہ کریں ویسے بھی 23 سال کی زندگی ایک گھنٹے میں کیا بیان ہوگی سارادن اس پر لگادوں تو بھی بیان نہیں ہوسکتا ہے سیرۃ النبی کی کم ازکم دو کتابیں لے لیں اس لئے کہ ایک سے رخ نہیں بنتا کوئی سی دو کتابیں خرید لیں کسی کی ہوں اس میں جنگوں کا ذکر بھی ہوگا صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا بھی یہ جو رسول اللہ کی سیرت کے LAND MARKS ہیں ان کا تذکرہ کوئی بھی چھوڑ نہیں سکتا ورنہ کتمان حق کا الزام اس پر آجائے گا آپ کوئی بھی سیرت النبی کی کتاب پڑھیں یہ جیکٹ مہنگی ہے سیرت کی کتاب سستی ہے تو کوئی کتاب آپ لے لیں ابھی واپسی پر لے لیں کسی سے مانگ کر لے لیں لیکن پڑھیں صحیح طریقے پر جیسے میز کرسی لگا کر نوٹس لے کر کتاب پڑھی جاتی ہے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ 23 سالہ محنت کیسے کی تھی کہاں سے کام شروع کر کے اور کہاں سے ہوتے ہوئے کہاں تک محنت کر کے اس معاشرے کو پہنچایا تھا۔رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی ساری تفاصیل موجود ہیں وہ قرآن بھی موجود ہے جو اس وقت تھوڑا تھوڑا اتر رہا تھا اب تو سارے کا سارا موجود ہے۔رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی ساری تفصیلات بھی موجود ہیں خلافت راشدہ کے واقعات بھی موجود ہیں کرنے کا کام کیا ہے؟ جذبہ چاہیے جذبہ! کہ ہم ان چیزوں کو لے کر اور آج کے حالات پر منطبق کر کے لوگوں کو ایک مثال پیش کر سکیں۔سعودی عرب کا نظام لوگوں کے لئے ROLE MODEL نہیں ہے بادشاہت ہے آج سے سو سال پہلے جو بادشاہ تھے وہ بھی لوگوں کے لئے رول ماڈل نہیں تھے حتی کہ ہزار سال پہلے جو عباسی تھے وہ بھی رول ماڈل نہیں تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کے بعد کوئی رول ماڈل نہیں ہیں ایک آئے تھے اللہ ان کی مغفرت فرمائے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ان کو خلیفہ راشد کہا جاتا ہے انہوں نے کمال کر دیا کہ دشمنوں نے بھی کہا ہے کہ خلیفہ راشد ہے عمر ثانی ہیں۔ یہ تو امت ماننے کے لئے تیار ہے لیکن کوئی کام کر کے تو دکھائے اکبر جیسا آدمی ہوگا تو اس کو لعن طعن ہی ہوگی، ملا عمر کو عمر ثالث کہا جاتا ہے ان کو موقع تھوڑا سا ملا تھا اگر موقع زیادہ مل جاتا تو شاید زیادہ کارنامے کرتے تو وہ کام ہے قرآن مجید، سنت و سیرت رسول ﷺ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور

آج کا علم اور جو دنیا کی ذہنی سطح ہے یہ چار پائے ہیں ان چاروں چیزوں کو اگر ہم سامنے رکھ کر دنیا کو یہ نمونہ پیش کر سکیں کہ یہ اسلام ہوتا ہے تو دنیا اسلام کی طرف آنے کو تیار ہے ساری دنیا پیاسی ہے ہر جگہ ظلم ہے یورپ اور امریکا میں بھی ظلم ہے لیکن ہم اسلام کا کونسا نمونہ پیش کر رہے ہیں نماز روزے والا کوئی نمونہ تو انہیں نہیں چاہیے سعودی عرب والا نمونہ بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے اسی طرح کوئی اور بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں تو اصلی نمونہ کون دکھائے گا؟ یہ وہ الفاظ ہیں جو علامہ اقبال نے کہے تھے دسمبر 1930 خطبۂ آلہ آباد میں جواب چھپ چکا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملک میسر آ جائے تو ہمیں موقع ملے گا کہ ہم اصلی اسلام جو خلافت راشدہ میں تھا جس پر بعد میں جاگیرداری اور ملوکیت کے پردے پڑ گئے جہاں محلات تعمیر کئے گئے اور ایک بادشاہ کے لئے ہزاروں کنیزیں رکھی گئیں وہ پردے ہٹا کر اسلام کا جو عدل وانصاف کا نظام تھا وہ نمونہ ملک پاکستان میں پیش کر سکیں گے اس لئے ہمیں ملک چاہیے وہ ملک تو بن گیا لیکن افسوس کہ ساٹھ سال گزر گئے لیکن تاحال وہ کام نہ ہو سکا کب ہوگا یہ اللہ جانتا ہے لیکن ہمارے ذمے قرض ہے۔ اللہ نے جو ہمیں چنا ہے شروع میں جو بات ہوئی تھی وہ کس کام کے لئے چنا ہے صرف کھانے پینے اور دعوتیں اڑانے کے لئے نہیں چنا ہے اس مشن کے لئے چنا ہے کہ ہمیں دنیا میں اسلام کا نمونہ پیش کرنا ہے آج ہم دنیا کے سامنے نماز کا نمونہ تو پیش کر رہے ہیں کہ نماز ایسی پڑھی جاتی ہے میں اکثر مثال دیتا ہوں پاکستان میں تو ایسی مثالیں کم ہیں لیکن یورپ میں ایسی مثالیں ہیں کہ جب کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جاتا ہے تو تھوڑی دیر بعد مثلاً اگر کوئی دس بجے مسلمان ہو تو ایک بجے ظہر ہو جائے گی ظہر کے بعد ہو تو عصر ہو جائے گی اس کو کہا جائے گا کہ تم نے نماز پڑھنی ہے وہ کہے گا کہ مجھے تو نہیں معلوم کیا نماز ہے وضو کیا؛ اسے بتائیں گے کہ جیسے یہ آدمی وضو کر رہا ہے اسی طرح وضو کر لو جیسے یہ کرے گا ویسے تم بھی کرتے رہو ہزاروں ایسے آدمی اس دور میں بھی ہو سکتے ہیں جو بالکل صحیح نماز پڑھتے ہوں صحیح وضو کرتے ہوں اور تہجد فجر ظہر عصر مغرب عشاء کے اوقات جانتے ہوں ان کی مثال دی جا سکتی ہے لیکن اگر اس نو مسلم کو کچھ عرصے بعد کوئی کاروبار کرنا پڑے تو کیا ہوگا کہ میں قصائی کا کام جانتا ہوں یا درزی کا کام جانتا ہوں میں منیاری کا کام جانتا ہوں میں سنار کا کام جانتا ہوں کیا اسے کوئی مثال دی جا سکتی ہے کہ صاحب جیسے وہ صاحب دکان بنائے بیٹھے

ہیں آپ بھی بنالیں کسی کاروبار کی مثال میں تو نہیں دے سکتا آپ شاید دے سکتے ہوں۔اگر اس کے گھر میں خوشی آجائے کہ میرا بیٹا جوان ہوگیا ہے کہ سال بعد اس کی شادی کرنی ہے بتاؤ اسلام میں کیا ہوتا ہے آپ اس کو مثال دے سکتے ہیں کہ جیسے جناب فلاں صاحب نے شادی کی ہے اسی طرح آپ بھی کرلو، علماء اور پیر سب کے ہاں شادیاں ہورہی ہیں لیکن مجبوری ہے صاحب کیا کریں اگر اس کے گھر میں کوئی DEATH ہو جائے تو آپ اس کی مثال نہیں دے سکتے کہ کسی کے مرنے پر اسلام میں یہ کچھ ہوتا ہے جیسے فلاں صاحب نے کیا ہے وہ عین اسی طرح ہے جیسے صحابہ ؓ نے کیا ہے اور عین اسلام کے مطابق کیا ہے ایسی کوئی مثال نہیں مل سکتی، نماز کی مثال دے سکتے ہیں لیکن شادی کی مثال نہیں دے سکتے اس میں مشرف صاحب کی تو کوئی مداخلت نہیں ہے اس کا مطلب ہے کہ ہم خود اندر سے چور ہیں ہم خود نہیں چاہتے کہ اسلام پر عمل کیا جائے اس میں تو امریکہ کی کوئی مداخلت نہیں چلو اگر ٹی وی پر پروگرام غلط آرہے ہیں یا نصاب تعلیم غلط ہوگیا ہے تو اس میں حکومت کی غلط پالیسی ہوسکتی ہے لیکن شادی میں کون سی رکاوٹ ہے اس کی بھی کوئی مثال نہیں۔اسلام کا غلبہ اور حکومت صلح و جنگ کے معاملات عدالتی نظام اس کی مثال کون دے گا وہ تو کتابوں میں کوئی تیرہ سو سال پہلے کی کوئی مثال ہوگی۔آج کے دور میں آج کی علمی سطح پر لوگوں کے سامنے اسلام کا نمونہ پیش کرنا یہ ضرورت ہے جو سیرت النبی کا تقاضا ہے دنیا کو طالبان والا رول ماڈل نہیں چاہیے سعودی عرب والا بھی نہیں چاہیے، طالبان والا تھا بھی تو ان کو تھوڑی اور مہلت ملتی تو شاید کوئی EDUCATED اور جدید ذہن کو بھی مطمئن کر سکتے لیکن ان کو دو ڈھائی سال سے زیادہ موقع ہی نہیں ملا۔یہ وہ قرض ہے جو پاکستان کے نام پر ملک بنا کر ہم نے وعدہ کیا تھا اسلام کا نمونہ بنا کر دکھانا یہ اس سیرت النبی کی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ ہمارے کاندھوں پر ہے۔اللہ نے اس کام کے لئے ہمیں چنا ہے هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ کوئی تنگی نہیں کوئی مشکل نہیں دین قابلِ عمل ہے آج ہم شادی کا نمونہ نہیں دے سکتے کہ جی کیا کریں مجبوریاں ہیں ان کانوں نے سنا ہے اور آپ لوگوں نے بھی سنا ہوگا بہت سے کہتے ہیں کہ اس دور میں اسلام کے مطابق کاروبار کر کے گھر نہیں چلایا جاسکتا لہٰذا میں تو رشوت لینا شروع کر رہا ہوں میں تو دو نمبر کام شروع کر رہا ہوں آج سے میں تو ملاوٹ کروں گا آج سے

میں تو یہ کروں گا یہ کروں گا اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے یہ بات پھیل رہی ہے کہ اسلام آج کے دور میں نا قابل عمل ہے اگر یہ چیز پھیل گئی تو یہ ذمہ داری کس کی بنے گی بتاؤ؟ اسلام تو قابل عمل ہے قصور کس کا ہے ہمارا ہے اس اسلام کو دوبارہ قابل عمل کر کے دکھانا ہماری ذمہ داری ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرے کہ آج کے بعد مجھے دین اسلام کے مطابق زندگی گزارنی ہے ہر نقصان برداشت کر لینا ہے لیکن دین کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا ہے محمد ﷺ سے بے وفائی نہیں کرنی دین سے بے وفائی نہیں کرنی اس جذبے کے ساتھ جان جاتی ہے تو جائے۔ وہ وقت آنے والا ہے ابھی وانا تک پہنچا ہے ڈیرہ اسماعیل خان تک رکا ہوا ہے وہ حالات یہاں بھی آ سکتے ہیں کوئی ویزہ پاسپورٹ کی ضرورت نہیں پڑے گی شاید گھر گھر چیکنگ ہوگی کہ جس کے گھر میں ترجمے والا قرآن ہے اس کو پکڑ لو اور شاید اس کے بعد یہ بھی ہو کہ جس کے گھر میں قرآن ہے اس کو بھی پکڑ لو ایک دفعہ وارننگ دو کہ صرف گھر کے باہر نشان لگا کر آؤ کہ اس اس کے گھر میں قرآن ہے اور دوسری چیکنگ میں بھی نکلے تو اس کو پکڑ کر اندر کر دیں شاید ایسا وقت آنے والا ہے تو کیا ہم ذہناً اس کے لئے تیار ہیں کہ ہم اس وقت کہیں کہ ہمارا تو (نعوذ باللہ) قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں آپ تلاشی لے لیں اگر ہمارے گھر سے قرآن نکل آئے تو جو سزا چور کی ہوگی وہی ہماری، کیا آپ یہ چاہتے ہیں اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو پھر آج سے کھڑے ہو جانا چاہیے کوئی ہمیں اور پیچھے کیوں دھکیلے ہمیں ان کو پیچھے دھکیلنا چاہیے۔ ہم قرآن پڑھیں گے قرآن سیکھیں گے ترجمہ سیکھیں گے رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر عمل کریں گے اور دنیا میں اسلام کا ایک نمونہ بنا کر پیش کر دیں گے۔ تو بہر حال ذمہ داری آپ کی اور میری ہے یہ صرف نعتیں پڑھ لینے سے پوری نہیں ہوگی یہ اپنی جگہ ایک اچھا کام ہے حضور ﷺ کی تعریف کرنا لیکن اس کی ذمہ داریاں بھی بنتی ہیں۔ اللہ نے ہمیں مسلمان بنا کر اور مسلمان کے گھر پیدا کر کے اور دین کا شعور دے کر اور قرآن کا ایک 'معلم' جو گھر میں آ کر تمہیں پڑھا رہا ہے آپ کو ٹوبہ نہیں جانا پڑتا وہ آ کر پڑھاتے ہیں (اشارہ ہے پروفیسر خلیل الرحمن صاحب امیر تنظیم ٹوبہ کی طرف جو عرصہ سے یہاں قرآن مجید کا درس دے رہے ہیں) اللہ نے آپ کو چنا ہے اور اس چننے کا تقاضا پھر یہ ہے کہ آگے بڑھ کر کچھ کام کرنا چاہیے روزانہ کے اوقات میں سے وقت نکالنا چاہیے مہینے کی آمدنی میں سے ایک معتبر حصہ آمدنی کا دین کے لئے

نکلنا چاہیے دسواں نہیں تو بیسواں ضرور نکلنا چاہیے لیٹریچر کتابیں پڑھنا پڑھانا آگے پھیلانا کیوں نہیں کرتے اللہ کا کام تو اللہ کو ماننے والے ہی کریں گے میں اور آپ ہی کریں گے۔ وقت لگائیں پیسہ لگائیں صلاحیتیں لگائیں دینی بھاگ دوڑ کو MANAGE کریں یہ ایک نشست ہے ایسی تو دس نشستیں مہینے میں شہر کے اندر ہونی چاہییں یہ کون کرے گا ہمت کی بات ہے جو آدمی چاہتا ہے کہ اللہ کے ہاں سرخرو ہو اور چاہتا ہے کہ محمد ﷺ کے ایک پکے امتی کی حیثیت سے میرا نام ہو اور محمد ﷺ قیامت کے دن مجھے پہچانیں کہ یہ میرا امتی ہے تو اس کے ذمے یہ کام ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے اسی کام کے لئے چنا ہے۔ آیت کا اگلا حصہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے ہم پر گواہی دی تھی اسی طرح ہم نے آگے گواہی دینی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ عطا فرمائے اپنی دینی ذمہ داریوں کا شعور عطا فرمائے اور قرآن مجید اور سیرۃ النبی ﷺ اور سیرۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے پھر جذبہ دے کہ ہم صرف پڑھیں ہی نہیں اس پر عمل کر کے دنیا میں اسلام کا ایک چلتا پھرتا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں (آمین)

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِیْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ

1857ء کی جنگ آزادی
کے
مساجد اور مدارس پر اثرات

افتخار الحسن میاں

1857ء کی جنگ آزادی کو اس سال 2007ء میں ڈیڑھ سو سال پورے ہو چکے ہیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی تجارت کے بہانے برصغیر میں آنے کے بعد ہندو راجاؤں،مرہٹوں اور خود مغلیہ خاندان کے فتنہ پردازوں کو ساتھ ملا کر صدیوں پر محیط مسلم اقتدار کو ختم کرنے کے درپے ہو گئی تھی اس کے نتیجے میں 1707ء میں عالمگیر اوّل کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال تیزی سے شروع ہو گیا۔اب پوری برطانوی حکومت کی نظریں ہندوستان کے مکمل قبضہ پر جم چکی تھیں۔ 1799ء میں والی میسور سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ 1803ء میں انگریز دہلی پر قابض ہو چکے تھے مگر کسی مصلحت کے تحت انہوں نے مغل حکمران کو معزول نہ کیا اگرچہ اب وہ عملاً انگریزوں کا ملازم اور وظیفہ خوار تھا مگر 1857ء کی جنگ آزادی یا ''بغاوت'' میں اس کے بہ امر مجبوری ''کردار'' کے باعث اس بغاوت کے جرم میں انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار اور اس کے افراد خانہ کو ذلت آمیز طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا یوں انہوں نے نہ صرف مسلم اقتدار کا یہ آخری چراغ گل کر دیا بلکہ اپنے سفا کانہ اقتدار کو جبر وقہر کے تمام حربے استعمال کر کے مضبوط کر لیا۔اس میں یہ جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے ہندوستان کو اپنی کالونی بنانے کے پس پردہ اصل عزائم کیا تھے؟ اور مساجد و مدارس کی تباہی و بربادی ان کا خاص ہدف کیوں ٹھہرا؟۔

حالیہ واقعات کے علاوہ تاریخ کے تجزیاتی مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جب سے مغربی اقوام نے سائنسی ترقی کی بنا پر عسکری برتری حاصل کی ہے ان کی اسلام دشمنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔اسلام کی نشر واشاعت کے ذرائع اور دینی اقدار کے محافظ ادارے ان کا ہدف بن چکے ہیں۔کبھی وہ براہ راست مسلم ممالک پر قبضہ کر کے مسلمانوں اور ان کے دینی اداروں کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں اور کبھی اپنے نمائندوں اور خاص خدمت گزاروں سے یہ کام لیتے رہے۔ مسلم تشخص،مساجد اور دینی مدارس کی تباہی کے لئے مغرب کے جارحانہ رویوں اور اقدامات میں کبھی شدت اور کبھی ٹھہراؤ آیا اور کبھی مسلمانوں کی شدید مزاحمت کے باعث انہیں پسپائی اختیار

کرنا پڑی۔ ان کی اسلام دشمنی کے مظاہر اسپین، مسلم ہند، افریقہ کے مسلم ممالک، جزیرہ عرب پہلوی خاندان کے ایران اور کمال اتاترک کے عہد کے ترکی سمیت ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ کل بھی جاری تھا اور آج پھر نئے نعروں، نئی اصطلاحات اور نئے چہروں کے ساتھ نئے نئے میدانوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ گزشتہ آٹھ سو سال سے مغرب پر ایک ہی جنون طاری ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو مغربی اعتقادی نظریات اور عسکری برتری کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا جائے اور عیسائیت کو دنیا کے واحد مذہب کی حیثیت سے بزور بازو تسلیم کروالیا جائے۔

1855ء میں پادری ایڈمنڈ نے کلکتہ سے ایک طویل خط ملک کے جدید تعلیم یافتہ افراد خصوصاً سرکاری ملازموں کے نام جاری کیا، اس میں وہ عیسائیت کو برصغیر پاک و ہند کا واحد مذہب بنانے کے لئے ان سب کو عیسائی بننے کو کہتا ہے ''اب ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی۔ تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک ہونا چاہئے۔ اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ''(1)

اسے صرف ایک شخص کی ذاتی رائے نہ سمجھا جائے ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد انگریزوں نے پادریوں کو مختلف سرکاری منصب دیئے تھے تاکہ ان کے ماتحت ملازمین اپنے سرکاری حکام کی خوشنودی کے لئے یا ان سے مرعوب ہو کر عیسائیت کو قبول کرلیں۔ انہوں نے اپنے زیر انتظام علاقوں پر گرفت مضبوط کرنے کے بعد مشنری سکولوں کا جال بچھا دیا۔ اور ان میں داخلہ لینے کے لئے سرکاری حکام کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا جانے لگا۔ بظاہر یہ جدید تعلیمی ادارے تھے جن کی اسناد کے بغیر سرکاری ملازمت ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ان اداروں میں پڑھنے والے بچوں اور نوعمر افراد کو عیسائی مذہب کی تعلیم مجبوراً حاصل کرنا پڑتی تھی۔ مگر امتحان صرف بائبل وغیرہ عیسائی مذہب کی کتابوں کا لیا جاتا تھا ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ ۔ تمہارا نجات دینے والے کون ہے؟ ۔ وہ نصاب کے مطابق عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تو انعام دے کر ان کی مزید حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اکثر والدین اپنے بچوں کو ان مشنری اداروں میں خوش دلی سے نہ بھیجتے تھے۔ بلکہ انگریزوں کی ہندوستان آمد کے بعد ان پر غربت و افلاس محتاجی و بے کسی اس بے رحمی سے مسلط کی گئی تھی۔ کہ بہتر معیشت اور حصول روزگار کے لئے

اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔(2)

سرسید احمد خان اپنی کتاب ''اسباب بغاوت ہند1857ء'' کے صفحہ 17 پر غیر حقیقت پسندانہ انداز میں لکھتے ہیں''ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں،اس واسطے دفعتاً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے'' اگلے ہی فقرے میں یہ بھی بتاتے ہیں''مگر جتنا جتنا قابو پاتے جاویں گے اتنی اتنی مداخلت کرتے جاویں گے''۔تاہم سرسید خوب جانتے تھے۔کہ مسلمانوں نے صدیوں محیط اپنے عہد حکومت میں کبھی قوم کو جبراً مسلمان نہیں بنایا تھا۔اگر وہ ایسا کرتے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی پندرہ بیس فیصد کے درمیان رہنے کے بجائے کل آبادی کا ساٹھ،ستر فیصد ضرور ہوجاتی ہمارے اس استدلال کی تائید حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے استاد اور شہرۂ آفاق مستشرق پروفیسر، ڈبلیو،آرنلڈ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

> AMONG THE SIXTY - SIX MILLONS OF INDIA MUSALMANS THERE ARE VAST MEMBERS OF CONVEST OF DESCENDANTS OF CONVERTS IN WHOSE CONVERSION FORCE PLAYED NO PART AND THE ONLY INFLUENCES AT WORK WERE THE TECHING AND PERSUASION OF PEACEFUL MISSIONAERIES (3)

ترجمہ:''چھ کروڑ ساٹھ لاکھ ہندوستانی مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد مسلموں یا نو مسلم آباؤاجداد کی اولاد پر مشتمل ہے جس کے قبول اسلام میں جبر کو کوئی دخل نہیں رہا تھا اور اس میں محض وہ اثرات کارفرما رہے تھے جو پرامن مبلغین (صوفیائے کرام) کی تعلیم وترغیب سے پیدا ہوئے تھے''۔

حیرت انگیز حقیقت تو یہ ہے کہ خود مسلم عہد حکومت میں برہمنوں نے جب کبھی قوت پکڑی تو گردوپیش کی مسلم آبادی کو زبردستی ہندو بنانے کی کوششیں کیں۔معروف مؤرخ اور ماہر

تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں ''بعض مخصوص علاقوں میں ہندوؤں نے مسجدیں مسمار کر دیں تھیں۔ اور انہیں بت پرستی کے مندروں میں تبدیل کر لیا تھا ـــــــــ ہندو اپنے مذہب پر علانیہ نمود نمائش کے ساتھ عمل کرتے تھے ـــــــــ دارالحکومت اور صوبائی مرکزوں میں بھی علانیہ بت پرستی کی جاتی تھی۔ ہندومت کی رسوم پوری طرح ادا کی جاتی تھیں۔ ہندو تعلیمات کی تبلیغ کا حق پوری طرح تسلیم کیا جاتا تھا ـــــــــ ہندو مصلح چیتنیا نے مسلمانوں کی ایک تعداد کو اپنے مذہب میں شامل کر لیا ـــــــــ کچھ برہمنوں نے مسلمانوں کو مذہب تبدیل کرا کے ہندو بنا لیا تھا۔''(4)

اگر مسلمان دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو جبراً مسلمان بناتے تو برہمنوں کو ہرگز یہ جرات نہ ہو پاتی کہ وہ مسلمانوں کو مذہب تبدیل کر کے ہندو بننے پر مجبور کرتے۔ شاید آداب ملازمت یا انتقام کے اندیشہ نے سرسید کو یہ لکھنے پر مجبور کیا ہو۔ اس غیر متوازن انداز کی وجہ سے انہیں مولانا شبلی نعمانی، پروفیسر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ایسے بلند پایہ محققین کی کڑی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ آزادی 1857ء کے بعد حالات اتنے خراب ہو چکے تھے اور سزائے موت، جلاوطنی، عمر قید اور ضبطی املاک کی سزائیں اتنی جلد بازی اور ثبوت کا انتظار کئے بغیر فراوانی سے دی جا رہی تھیں کہ انتقام کا اندیشہ ہر کسی کو لاحق ہو چکا تھا۔ مرزا اسد خان غالب بھی ''عود ہندی'' اور ''مکاتیب غالب'' میں حقائق و واقعات اور حالات کے جبر کا بیان نہایت احتیاط سے کرتے ہیں۔ بطور مورّخ یعنی دربار دہلی کے وقائع نگار کی حیثیت سے باقاعدہ کتابی انداز میں تاریخ نویسی کے بجائے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے اپنے احباب و تلامذہ کے نام خطوط لکھنے سے انہوں نے تاریخ نگاری کا منفرد اسلوب ایجاد کیا۔ مرزا غالب کے فریفتہ سرسید نے شاید احتیاط کا یہ انداز انہی سے سیکھا ہو کیونکہ مسلمانوں پر اس اتہام کے ساتھ ساتھ وہ برطانوی استعمار کی مذہبی سازش سے بھی خوب آگاہ کرتے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں:۔

''سب جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو (کیا ہندو اور کیا مسلمان) عیسائی مذہب اور اپنے ملک کی رسم و رواج پر لا ڈالے ـــــــــ سرکار کا مطلب یہ ہے۔ کہ لڑکیاں اسکولوں میں آویں اور تعلیم

پاویں اور بے پردہ ہوجاویں۔'' (5)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی استعمار حکومت اہل ہند کو عیسائی بنانے کے ایک طویل المیعاد منصوبے پر عمل پیرا تھی۔اس کے لئے وہ جدید تعلیمی اداروں کو ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ان اداروں میں پردہ کی عادی بچیوں کو سکرٹ پہننے اور بچوں کو پینٹ شرٹ اور ٹائی لگانے پر یونی فارم کے نام مجبور کیا جاتا تھا تاکہ وہ اس مغربی لباس کے رفتہ رفتہ عادی ہو جائیں اور مقامی مغربی ثقافت کے درمیان حائل فاصلے مٹ جائیں۔یہ تہذیبی فاصلے مٹانے کے لئے انہوں نے ارتداد کو 1850ء کے ایکٹ نمبر 21 کے ذریعہ تحفظ دیا۔اس کا معاشرتی اثر یہ ہوا کہ خاوند کے ہندو عیسائی یا قادیانی مرتد ہو جانے کے باوجود اپنی مسلمان بیوی کو ساتھ رکھنے کا قانوناً مجاز ہو گیا۔اس دوران برصغیر میں لکھے گئے فتاویٰ لٹریچر سے بھی اس ایکٹ کی تباہ کاریاں معلوم ہوتی ہیں ان فتاویٰ میں مسلمانوں نے علمائے اسلام سے ایسے جوڑوں کی ازواجی زندگی کی شرعی حیثیت دریافت کی ہے جن میں سے کوئی ایک مرتد ہو چکا تھا۔ایسے شرعی استفسارات خاصی بڑی تعداد میں ہیں۔اس سے یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ انگریز استعمار، مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی کس طرح تہہ و بالا کر رہے تھے۔ با اثر ہندوؤں نے بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی عزتوں سے کھیلنا معمول بنا لیا تھا۔اس کی ایک مثال ''فتاویٰ رضویہ'' سے ملاحظہ کیجئے: سات مسلمان عورتوں کی بنوائی ہوئی سات مسجدوں کی شرعی حیثیت کا سوال اٹھایا گیا ہے۔ یہ ساتوں عورتیں نماز ، روزے کی پابند تھیں جنہیں چند ہندو راجاؤں نے اپنی حیوانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مرتے دم تک جبراً اپنے گھروں میں نظر بند کئے رکھا۔وہ کبھی کبھار انہیں کچھ رقم دے دیا کرتے تھے جسے یہ عورتیں جمع کرتی رہیں۔ پھر وہ کسی دیانتدار مسلمان کے ذریعے اس رقم سے سات مسجدیں بنوانے میں کامیاب ہوگئیں۔اس پر بعض لوگوں نے ان عورتوں کی کمائی کو حرام خیال کرتے ہوئے مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ سے ان مسجدوں کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لئے فتویٰ طلب کیا۔ان کے مفصل جواب خلاصہ یہ ہے کہ'' ساتوں مساجد شرعاً جائز ہیں ان میں کی جانے والی عبادت بھی جائز ہے کیونکہ وہ مجبور و بے بس تھیں اور رقم ان کی طلب کے بغیر بطور ماہانہ خرچ دی جاتی تھی، یہ کسی جرم کا معاوضہ نہ تھی'' (6)

1857ء کی جنگ آزادی سے پہلے کے واقعات اوراس کے بعد کی انتقامی کاروائیوں سے صاف ظاہر ہوتا کہ مغرب کی مسیحی قوتوں نے جس طرح 1492ء میں اسپین پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کوزبردستی عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا، اسی وحشیانہ طاقت کا استعمال کر کے اہل ہند کو بھی عیسائی بنانے پر تلے ہوئے تھے اس کے لئے وہ فوجی قوت کے ساتھ ساتھ اب جدید تعلیم اور نت نئی قانون سازی کو بھی بطور ہتھیار استعمال کر رہے تھے۔ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ کی کتاب ''باغی ہندوستان'' جو اصل عربی تصنیف " الثورة الهندية" (ہندی انقلاب) کا اردو ترجمہ ہے ، سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سب لوگ انہی کی طرح ملحد و بے دین (مرتد) ہو کر ایک ہی عیسائی ملت پر جمع ہو جائیں ———— انہوں نے تمام باشندگان ہندوکو، کیا امیر، کیا غریب چھوٹے، بڑے، مقیم و مسافر، شہری دیہاتی سب کو نصرانی بنانے کی اسکیم بنائی''(7)

یہ صرف مذہبی شخصیات کا وہم یا احساس نہ تھا کہ انگریز اہل ہند اور خصوصاً مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی سکیم پر عمل پیرا ہیں بلکہ عیسائی پادریوں کے علاوہ سرکاری حکام بھی لگی لپٹی رکھے بغیر علانیہ اس عزم کا اظہار کر رہے تھے۔ اب وہ جس نوعیت کا اسلحہ تیار کر چکے تھے اس کی بنیاد پر انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ طاقت کی بنیاد پر سب مقاصد حاصل کر سکتے ہیں اس کے لئے انہوں نے سب سے پہلے ہندوستانی فوج جس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور مسلمان بھی خاصی تعداد میں تھے کو ان کے مذہبی اصول اور رسوم سے ہٹانے اور مذہبی عقائد سے بہکانے پر توجہ مرکوز رکھی۔ ان کا گمان تھا کہ جب ہندوستانی قوم کے بہادر اور طاقتور افراد پر مشتمل فوج اپنا دین بدل لے گی اور عیسائی کمانڈروں کے مسیحی احکام ڈسپلن کے نام پر ماننے کی عادی ہو جائے گی تو پھر دوسرے باشندوں کو سزا و عقوبات کے ڈر سے خود ہی مجال انکار نہ رہے گی(8)

فوج کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے سے انگریزوں کو یہ فائدہ ہوا کہ عام آدمی کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی۔ جبکہ پادریوں نے مقامی حکام سے روابط مزید مضبوط کر کے ان کو اپنے تبلیغی اجتماعات میں بے دھڑک مدعو کرنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی عام ہندوستانی کو یہ یقین ہونے لگا کہ کمپنی حکومت تمام باشندوں کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔ یہ اندیشہ بے بنیاد نہ تھا

کیونکہ بہت سے ہندوؤں اور کچھ مسلمانوں نے بھی اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ارتداد کی اس کیفیت کا ان الفاظ میں جائزہ پیش کیا ہے۔

''اس معاملے میں ہندو اور مسلم یکساں حساس تھے اگرچہ زیادہ بھیڑیں ہندوؤں کے گلے سے مسیحی مبلغوں کے ہاتھ آئی تھیں۔ یہ واقعہ کہ مسلمان اپنے آپ کو تبدیلی مذہب کے لئے پیش کرنے پر آسانی سے آمادہ نہیں ہوتے، مسیحی مبلغین کو خار کی طرح کھٹکتا رہا ہے اور اس سے مسلمانوں کے خلاف اس وقت انگریز حکمرانوں کی ناراضگی میں بھی کچھ کم اضافہ نہیں ہوا'' (9)

برطانوی حکومت نے جب ہندو، سکھ اور مسلم افراد پر مشتمل مقامی فوج کے طور طریقے مغربی تہذیب وثقافت میں خوب ڈھال لئے تو یہ جانچنے کے لئے کہ ان میں اپنے اپنے مذہب کی غیرت وحمیت ختم ہو چکی ہے یا ابھی مزید محنت درکار ہے، انہوں نے ایسے کارتوس استعمال کرنے کے لئے انہیں دیئے جن پر تر چربی لگی ہوئی تھی جسے کارتوس چلانے سے پہلے دانتوں سے اتارنا پڑتا تھا۔ اس چربی کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا کہ یہ گائے کی چربی ہے۔ ایک انگریز کرنل نے اس وقت ملٹری بورڈ کو خبردار کر دیا تھا کہ ہندوستانیوں پر ان کا بڑا اثر پڑے گا اس کے باوجود ان کارتوسوں کی بڑی مقدار کلکتہ، انبالہ اور سیالکوٹ میں واقع فوج کے تربیتی سکولوں میں روانہ کر دی گئی۔ ان میں ساڑھے بائیس ہزار انبالہ اور چودہ ہزار کارتوس سیالکوٹ بھیجے گئے تھے۔ ان میں یقیناً سور کی چربی لگی تھی کیونکہ بعد میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ صرف گورے فوجیوں کے لئے تھے۔ مگر اس اثناء میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ مقامی فوجیوں نے ان کارتوسوں کو اپنے مذہب کی بربادی اور عیسائیت قبول کرنے کے مترادف جان کر بغاوت شروع کر دی اس کی ایک وجہ ''کرنل مچل'' کی دھمکی تھی کہ جو ان کو استعمال کرنے سے انکار کرے گا، اسے حکم عدولی پر سخت سزا دی جائے گی یا انہیں برما اور چین بھیج دیا جائے گا، جہاں سے وہ زندہ واپس نہ آ سکیں گے (10)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 مئی 1857ء کو انگریزوں کے خلاف ہونے والی بغاوت ان کے متکبرانہ انداز میں اپنے مذہب کی اقدار کو مسلط کرنے کا نتیجہ تھی۔ اپنی مغربی اقدار کو وہ یکے بعد دیگرے قبضہ میں آنے والے صوبوں میں گزشتہ دو سو سال سے جاری کر رہے تھے۔ وہ

تمام کارتوس واپس لے کر مقامی فوجیوں کو مطمئن کر سکتے تھے مگر جدید اسلحہ اور ریاستی طاقت کے زعم میں انہوں نے مقامی باشندوں کے مذہبی جذبات کا ذرہ برابر احساس نہ کیا۔ جنگ آزادی 1857ء ان فوری واقعات کا ردعمل تھا، کسی ٹھوس منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے نتیجے میں کسی مرکزی قیادت کے تحت لڑی جانے والی ہمہ گیر جنگ نہ تھی اس لئے فوراً ہی ناکام ہوگئی۔ انگریزوں کے جن متکبرانہ رویوں نے اس بغاوت کے اسباب مہیا کئے تھے۔ اس جنگ کی ناکامی کے بعد ان میں انتقام کا اضافہ ہوگیا۔ انہوں نے صرف بغاوت کرنے والوں کو سزا یا انتقام کا نشانہ بنانے کے بجائے شہروں کے شہر تباہ و برباد کر دیئے۔ دہلی جو مسلمانوں کا صدیوں تک دارالخلافہ رہنے کی وجہ سے بڑا متمدن شہر تھا اس کا انگریزوں نے کیا حشر کیا؟ یہ مرزا غالب سے سنئے۔

''یہاں شہر ڈھے رہا ہے۔ بڑے بڑے بازار، نامی، خاص بازار، اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا۔ اب پتا بھی نہیں، صاحبان امکنہ اور دکاکین نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی ———— آب تیشہ کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے، غلہ گراں ہے، موت ارزاں ہے، میوے کے مول اناج بکتا ہے۔'' (11)

یہ صرف ایک شہر کی حالت نہ تھی پورے ہندوستان میں انگریزوں نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد خود انسانیت اور تہذیب و شائستگی کے خلاف بغاوت کر دی تھی اس میں بھی مسلمان مسکین ان کے جذبہ انتقام کا خاص نشانہ بنے۔ اہم مسلمانوں کو چن چن کر پھانسیاں دی گئیں گھر مسمار، جاگیریں ضبط کر لی گئیں لیکن اس سے بھی انگریزوں کی آتش انتقام کم نہ ہوئی تو مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے اور ان سے عبادت کا حق چھیننے کے لئے انہوں نے ملک بھر میں مساجد مسمار کرنے کی باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''1857ء پاک و ہند کی پہلی جنگ آزادی'' میں جگہ جگہ مسمار کی گئی مساجد کا ذکر کیا ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ''فتح دہلی کے بعد انگریزوں کے جنون انہدم کی بجلیوں سے مسجدیں بھی محفوظ نہ رہے۔ چھوٹی مسجدوں کا شمار ممکن نہیں لیکن بڑی تاریخی مسجدوں میں سے بعض کی کیفیت ملاحظہ کیجئے ————

شاہجہان کی بیگم اعزاز النساء کی بنوائی ہوئی اکبر آبادی مسجد جس کی چھت 63 گز لمبی اور 70 گز چوڑی تھی اس کے شمار اور جنوب اور مغرب میں تھوڑی ہی جگہ چھوڑ کر خوب کھلے اور صاف حجروں کی

قطاریں تھیں۔ حجروں کے سامنے برآمدہ تھا۔ گویا مسجد بطور خاص اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ طلبہ حجروں میں رہیں اور مسجد میں تعلیم پائیں۔ شاہ عبدالقادرؒ محدث اور شاہ رفیع الدینؒ محدث مدت تک یہاں درس دیتے رہے اس مسجد سے قلعے کے لاہوری دروازے تک کا بازار، اردو بازار کہلاتا تھا۔ انگریزوں نے قلعے کے درمیانی حصے میں میدان نکالنے کیلئے جہاں سینکڑوں مکان گرائے، وہاں یہ مسجد بھی شہید کر دی ——— اورنگ آبادی مسجد اور جامع مسجد شاہ جہانی ایسی سینکڑوں تاریخی مساجد انگریزوں نے مسمار کر کے میدان بنا دیئے۔(12)

جنگ آزادی کے دوران مقامی لوگوں کے پاس تلواریں، کرپانیں اور کچھ بندوقیں بھی تھیں۔ جدید اسلحہ کے اعتبار سے باغی فوجیوں کے پاس محدود تعداد میں بندوقوں اور چند ہزار گولیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جبکہ انگریز فوج کے پاس مختلف انواع واقسام کی وافر بندوقوں کے علاوہ توپیں بھی تھیں اس جنگ کا نقشہ ان توپوں ہی نے بدلا تھا جدید اسلحہ سے مسلح ہونے کے بعد وہ جس طرح پورا پورا براعظم فتح کرتے چلے گئے اسی طرح ان توپوں کی مدد سے اس جنگ کو نا کام بنانے میں انہیں کل چار ماہ لگے تھے۔ اس دوران وہ جس علاقے کا دوبارہ قبضہ حاصل کرتے وہاں کی مساجد کو توپوں سے تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ بعض مساجد کو انہوں نے اپنی مقامی وفادار فوج کی بیرکوں کے طور پر استعمال کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح کئے۔ مثلاً تاریخی مسجد زینت المساجد کو پہلے انگریز فوجیوں نے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ پھر ان کے وفادار سکھ فوجیوں نے یہاں قیام کیا وہ اسی میں رفع حاجت کرتے تھے اور سور پکا پکا کر کھاتے تھے وہ ایسی حرکتیں کرتے جو مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ اشتعال انگریز اور نفرت مسجد کی بدترین

توہین کا سلسلہ جون 1857ء سے شروع ہو کر 24 نومبر 1862ء تک برابر جاری رہا اور اس وقت رکا جب انگریزوں کی آتش انتقام کچھ ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی جن ذلت آمیز شرائط پر یہ مسجد واگزار ہوئی، ان میں سے چند شرائط ملاحظہ کیجئے:۔

1۔ ادائے نماز کے بعد سب آدمی مسجد سے چلے جایا کریں۔

2۔ ہندو بلا مزاحمت مسجد کے اندر آئیں مگر انہیں ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

3۔ سول اور فوج کے افسر بھی اندر آنے کے مجاز ہوں گے۔ انہیں جوتا اتارنے کی ضرورت

نہیں۔ امید ہے کہ وہ کتے ساتھ نہیں لائیں گے اور سگریٹ ''وغیرہ''
نہیں پئیں گے۔

4۔ مسجد میں کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو سرکار کی تحقیر واہانت یا بدخواہی کی موجب ہو۔

5۔ اگر کوئی امر خلاف مرضی سرکار ظاہر ہوگا تو سرکار مسجد کو بند کر دینے کی مجاز ہوگی(13)

مسجد کی واگزاری و بحالی کے لئے ان ذلت آمیز شرائط سے ہر صاحب ایمان اندازہ لگا سکتا ہے کہ جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں پر کیسی کیسی قیامتیں گزری ہوں گی۔ان ناقابل سماعت شرائط پر مسجد تو واگزار ہوگئی مگر اس کی عزت وتقدس پھر بھی بحال نہ ہوسکا۔1899ء تک انگریز جوتوں سمیت مسجد کو روندتے رہے اور اس کے بعد جوتوں پر موزے چڑھا کر مشق ستم کرتے رہے۔ مسلمانوں کے ساتھ مسیحی قوتوں کی تمام جنگی تاریخ میں مسجدوں اور مدارس کی توہین آمیز بربادی اور مسلمان بچوں،عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں کی بلا امتیاز غارت گری کے لاتعداد واقعات ان کی روشن خیالی کا منہ چڑھا رہے ہیں۔مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں یہ کبھی کسی قاعدہ قانون کے پابند نہیں رہے انتہائی نفرت، اندھا انتقام اور توہین وتذلیل ہی ان کے اصول رہے ہیں جو صلیبی جنگوں سے لے کر 1857ء کی جنگ آزادی اور ابوغریب جیل سمیت ہر جگہ مسیحی استعمار کی خصلت دکھائی دیتی ہے۔

711ء میں محمد بن قاسم کی سندھ آمد سے پہلے مسلمان تاجروں کا یہاں آنا جانا شروع ہو چکا تھا اور کچھ یہیں آباد ہو چکے تھے۔ ہندوخود بحری سفر نہیں کرتے تھے۔اس لئے انہوں نے ان تاجروں کو کئی سہولتیں دے رکھی تھیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ تجارتی فوائد حاصل کر سکیں۔ چنانچہ ان میں سے جو یہیں آباد ہو گئے انہوں نے نماز پنجگانہ اور جمعہ وغیرہ ایسے بنیادی اسلامی فرائض کی باجماعت ادائیگی کے لئے مساجد تعمیر کیں۔ بعد میں سینکڑوں صوفیاء کرام اور مبلغین اسلام ہندوستان آ کر آباد ہوئے،ان سب نے بھی مساجد کی تعمیر کو اوّلیت دی۔1005ء میں جب محمود غزنوی ملتان آیا تو اس وقت تک ملتان اسلامی ثقافت کے مرکز کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں مساجد اور اسلامی مدارس کثیر تعداد میں موجود تھے۔صوفیاء کرام جو ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبات میں آ کر مقیم ہوئے وہ سب سے پہلے مسجد تعمیر کیا کرتے تھے

اسلام قبول کرنے والوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے وہ ان مساجد کے اطراف میں متعدد کمرے بھی تعمیر کرتے تھے جس سے مسجد مکتب کا تصور ابھرا مسلمان سلاطین نے اپنے زیرنگیں علاقوں میں مساجد و مدارس تعمیر کرنے میں بے مثال دینی جذبے کا مظاہرہ کیا۔ مسلم عہد حکومت میں تعمیر کی گئی مساجد و مدارس کی صحیح تعداد تک رسائی آسان نہیں۔ لیکن اس کا ہلکا سا اندازہ محمد تغلق کے عہد سے ہوتا ہے جو مسلم ہند کا اوائل تھا۔ ''اس کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے جبکہ سلطان فیروز شاہ تغلق جو خود بھی صاحب علم اور صاحب تصنیف تھا، نے اپنے زمانے میں بڑی بڑی مساجد اور مدرسے بنوائے اور ان کے مصارف کے لئے اوقاف مقرر کئے۔ (14)

مساجد اور مدارس کی تعمیر ان سلاطین کے نزدیک اس لئے بھی ضروری تھی کہ امور مملکت چلانے کے لئے تعلیم یافتہ افراد کی فراہمی کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ انگریزوں نے جنگ آزادی 1857ء کی ناکامی کے نتیجے میں جب برصغیر میں اپنے قدم جمالئے تو انہوں نے بھی سرکاری امور کی انجام دہی کے لئے تعلیم یافتہ افرادی قوت مہیا کرنے کیلئے اپنی تہذیب وثقافت کے آئینہ دار جدید تعلیمی ادارے قائم کئے جن میں زیادہ زور مسیحی عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت پر دیا جاتا تھا۔ برصغیر کے تمام مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے عہد میں مساجد و مدارس کے قیام کو ملکی ضرورت اور اپنے لئے ذریعہ نجات مان کر ان کی تعمیر و ترقی کے لئے فراخدلی سے وسائل مہیا کئے۔ وہ ان مدارس کے قیام میں کسی غفلت کے متحمل اس لئے بھی نہ ہو سکتے تھے کہ ملک کا تمام تعلیم یافتہ طبقہ اور ارکان حکومت صرف انہی تعلیمی اداروں سے فراہم ہوتے تھے۔ دلّی، آگرہ، جونپور، احمد آباد، گجرات اور لاہور مختلف مسلم حکمرانوں کے ادوار میں دارالسلطنت بننے کی وجہ علوم فنون کے مراکز رہے ہیں۔ ان تمام مقامات پر ہزاروں چھوٹی چھوٹی مساجد کے علاوہ بڑی بڑی عظیم الشان مساجد بھی تعمیر کی گئیں اگرچہ مستقل مدارس کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی مگر اس دور میں مسجدیں بھی مدرسوں کا کام دیتی تھیں برصغیر پاک و ہند کی تاریخی مساجد جو زمانے کے دست برد سے محفوظ رہیں، ان پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو ان کی اطراف میں کمروں کی قطاریں نظر آئیں گی جو وہاں زیر تعلیم رہنے والے طلبہ کی رہائشی ضرورت کے لئے تعمیر کئے گئے تھے۔ ان مستقل مدارس یا مسجد مکتبوں میں پڑھنے والے طلبہ کی مفت تعلیمی و رہائشی سہولیات کے علاوہ ان کی اور اساتذہ کی

خوراک کے اخراجات اور تنخواں کی ادائیگی ان املاک سے حاصل ہونے والی آمدنی سے کی جاتی تھی جو مساجد و مدارس بنوانے والوں نے اس غرض سے وقف کر رکھی تھیں۔

مسلم عہد حکومت میں جس طرح دارالسلطنت ہمیشہ کسی ایک شہر میں نہیں رہا اسی طرح اس عہد کے علمی مراکز بھی بدلتے رہے غزنوی عہد میں لاہور تعلیم و تعلم کا مرکز رہا، ان کے بعد غوری آئے انہوں نے اجمیر شریف کو دارالسلطنت بنا کر اس شہر میں سینکڑوں مدارس قائم کر کے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔قطب الدین ایبک نے دہلی کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔اس نے یہاں پر مساجد و مدارس کی تعمیر میں گہری دلچسپی لیکر اس کو علم کے قدردانوں کا اہم مرکز بنا دیا۔ مدرسہ فیروز شاہی دہلی کے مشہور مدارس میں سے ایک تھا جو اپنی شان و شوکت، فن تعمیر، حسن انتظام اور معیار تعلیم کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا تھا۔حسب دستور اس سے متصل ایک وسیع مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی مولانا جلال الدین رومیؒ اس مدرسہ فیروز شاہی میں دینیات کے استاد تھے۔(15)

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں سیالکوٹ نے علمی مرکز کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل کی اس دور میں یہ شہر بڑے بڑے مشاہیر علماء ماہرین فن اور اہل ہنر کے لئے بڑی جاذبیت رکھتا تھا۔اس دور میں ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کے مدرسہ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور عالمگیر سمیت عمائدین سلطنت اور عام مسلمانوں کے علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو صحیح بخاری کی عربی شرح لکھنے کے باعث پورے عالم اسلام میں لافانی عزت و منزلت حاصل ہے ان کی دیگر تصانیف نے بھی ہندوستان اور مصر سے لیکر قسطنطنیہ تک اہل علم کی توجہ حاصل کی اپنے عظیم اور لازوال علمی کارناموں کی وجہ سے آپ ملاّ کہلاتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب علمائے اسلام کی تمام تر توجہ تدریس و تصنیف کے میدانوں میں اعلیٰ خدمات سرانجام دینے پر مرکوز تھی۔اس دور میں ان کے نام ہی اتنے بڑے ہوتے تھے کہ وہ غیر ضروری القابات کا بوجھ گوارا نہ کرتے تھے۔زوال کے دور کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اب مسلسل لوگ بڑے علمی کارنامے سرانجام دینے کے بجائے بڑے القابات کے سہارے بڑا بننے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رہتے ہیں۔

جونپور مسلمانوں کے علوم فنون اور صاحبان فضل و کمال کا مرکز ہونے کی وجہ سے شیراز ہند

کہلاتا تھا۔اس شہر میں بھی مساجد و مدارس سینکڑوں میں تھے۔ یہاں پر برصغیر کے مسلم عہد حکومت میں ہر شہر و قصبے میں تعمیر کی گئی تمام مساجد و مدارس کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔صرف یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ مسلم عہد میں لاکھوں مساجد و مدارس تعمیر ہوئے اور ان کے اخراجات و مصارف کے لئے بڑے قطعات اراضی وقف کئے گئے جنہیں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے انتقام میں اندھا ہو کر توپوں اور گینتی و کسّی سے تباہ برباد کر دیا۔انہوں نے مدارس کے مالی وسائل ختم کر کے انہیں بے آباد کرنے کے لئے ان کی انتظامیہ سے صدیوں پرانے اوقاف کے تحریری ثبوت طلب کر لئے جو مسلمان اکثر فراہم نہ کر سکے۔ ہزاروں مدارس ایسے تھے جن کے بانیوں کی اولاد نسلاً بعد نسل ان کی منتظم چلی آ رہی تھی۔ وہ بھی ملکیت کے دستاویزی ثبوت فراہم نہ کر سکے۔اکثر صورتوں میں ان اوقاف و مدارس پر مسلمانوں کا قبضہ ناجائز نہیں تھا مگر وقف کئے صدیوں گزر چکی تھیں، اس لئے وہ انگریزوں کے تقاضے کے مطابق حقوق ملکیت ثابت نہ کر سکے۔اس پر انگریزوں نے ایسے تمام مدارس اور مسلم اوقاف ضبط کر کے اپنے قائم کردہ مغربی تہذیب و تمدن کے نمائندہ جدید تعلیمی اداروں کو دے دیئے۔انگریز نے اس چالبازی اور مکارانہ روش سے ہزاروں مساجد و مدارس کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔(16)

اسلام سے عداوت صدیوں سے صلیبی اقوام کے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہے۔اقتدار یا عسکری برتری کسی نظریہ کی صداقت کی دلیل نہیں ہوتی۔لیکن انہیں کسی عقیدہ و نظریہ کی ترویج و اشاعت میں فیصلہ کن حیثیت ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے جنگ آزادی 1857ء میں انگریزوں کی کامیابی سے جہاں انہیں مغربی عقائد و نظریات اور تہذیب و تمدن کو یہاں زبردستی رائج کرنے کا موقع ملا، وہیں مسلمانوں نے ایک بار پھر حصول اقتدار کی طویل جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ بیسویں صدی کے اوائل تک انتہائی نا مساعد حالات کے باوجود ہزاروں نئے مدارس قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔مسلمانوں کے نزدیک اسلامی مدارس دینی تشخص کے محافظ ادارے ہیں۔ان کی اسی حیثیت کے باعث اہل کلیسا انہیں آج پھر تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں تاکہ تہذیبوں کے تصادم کی موجودہ عالمی فضاء میں اسلامی تہذیب و اقدار کے یہ سرچشمے ویران کر کے یک طرفہ پروپیگنڈہ کے ذریعے مسلم معاشرے میں ارتداد کو عام کیا جا سکے۔1850ء کے ایکٹ

نمبر 21 کی طرح اب پھر مسلم ممالک پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ مذہبی آزادیوں کی آڑ میں ارتداد کو تحفظ دینے کے لئے قانون سازی کریں۔ اس کا مقصد مسلم ممالک میں عیسائیت کو عام کرنے کے سوا کچھ اور نہیں۔

تاریخی شواہد سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی مدارس اور مساجد کو ختم کر کے مسلمانوں کا اپنے دین سے رشتہ توڑنے کی مغربی کوششوں میں جنگ آزادی 1857ء کے بعد مزید شدت آ گئی تھی۔ برطانوی استعمار اور پادریوں نے اب جارحانہ انداز میں زندگی کے ہر شعبے میں عیسائیت کے فروغ اور ترویج کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا۔ ایک طرف مقامی فوج کو مغربی اقدار اور طرز معاشرت کا خوگر بنا کر ان کے ذہنوں سے اجنبیت کا اثر ختم کر دیا تا کہ باقی افراد معاشرہ کی طرف سے مستقبل میں کسی مزاحمت کی صورت میں ان کا تعاون حاصل رہے۔ دوسری طرف انہوں نے مغربی طرز کے تعلیمی اداروں کا ملک بھر میں جال بچھا دیا۔ اس اداروں میں پڑھنے والے بچوں کو انگریزی پڑھانے کے بہانے عیسائیت کی تعلیم کا دائرہ وسیع کر دیا گیا۔ اس جدید نظام تعلیم کے خالق میکالے کا خیال تھا کہ تیس سال کے بعد عیسائیوں کے سوا اس ملک میں کوئی نہ ہوگا۔ مسیحی مبلغوں نے بھی علانیہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مغربی تعلیم کی اشاعت کے نتیجے میں دیسی مذاہب کی عمارتیں مسمار ہو جائیں گی۔ (17)

برصغیر پاک و ہند میں عیسائیت کو واحد مذہب کے طور پر زندگی کے ہر شعبے میں جاری کرنے کی یہ برطانوی مہم صرف پادریوں اور ان سے متاثر ظالم حکومتی ارکان تک محدود نہ تھی کہ کہا جائے کہ یہ برطانوی حکومت کی پالیسی نہ تھی بلکہ اس میں اعلیٰ درجے کے سرکاری حکام بھی پختہ عزم کے ساتھ سرگرم عمل تھے۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ''کوئی نوجوان، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے بدعقیدہ ہوئے بغیر ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کامیاب ہو کر نہیں نکلتا''۔ (18)

غور طلب بات یہ ہے کہ وہ مغربی طاقتیں صرف تار برقی (ٹیلی گرام) اور ریلوے سڑک ایسی سائنسی ترقی کے بعد ہی عیسائیت کے سوا ہر مذہب کو مٹانے دنیا پر چڑھ دوڑی تھیں۔ آج سٹلائٹ انٹرنیٹ، سپر طیاروں اور نا قابل تصور حد تک تباہ کن اسلحہ بنانے کے بعد کیا وہ روشن

خیالی کی مسخریاں کر رہی ہیں۔ مغرب گزشتہ کئی صدیوں سے عیسائیت کو دنیا کا واحد مذہب تسلیم کروانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے پہلے اس کی راہ میں کمیونزم کا سنگ گراں حائل تھا۔ جسے وہ مسلمان مجاہدوں کی مدد سے پارہ پارہ کر چکا تھا۔ اب وہ صرف اسلام کو اس ہدف کے حصول میں واحد رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مدارس دہشت گرد نہیں، اسلام کے محافظ تیار کرتے ہیں۔ ہم مغرب کی تہذیبی یلغار سے اب تک انہی مدارس کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں ان کو دہشت گردی کے لاکھ الزام دیئے گئے۔ جب وہاں سے کچھ برآمد نہ ہوا تو بڑی شاطرانہ حکمت عملی سے اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے اسباب مہیا کئے تاکہ ایک مدرسہ کی آڑ میں پاکستان اور باقی اسلامی دنیا کے دینی مدارس کا صفایا کیا جا سکے۔ اسلام کو مٹانے اور عیسائیت کو غالب کرنے کا منصوبہ کوئی راز نہیں جو ہمارے معزز جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو معلوم نہ ہو۔ شاید ہم میں غیرت مند مسلمان جسے اپنے دین اور اس کی پاکیزہ اقدار پر ناز ہو، کے طور پر زندہ رہنے کی امنگ کمزور پڑ رہی ہے ورنہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی مجلس کے صدر مسٹر مینگلز کے 1857ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں کہے ہوئے یہ الفاظ ہمیں آج بھی مساجد و مدارس کے خلاف استعماری منصوبوں کے پس منظر سے آگاہ کرنے کے لئے کافی ہونے چاہیں۔ اس نے کہا تھا:۔

”قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلستان کو تفویض کی ہے تاکہ مسیح جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی قوت صرف کر دے تاکہ تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ (19)

آج بھی امریکہ اور یورپ کے مذہبی ٹی وی چینل واشگاف الفاظ میں عیسائیت کو دنیا کا واحد مذہب قرار دینے کے لئے مغربی حکمرانوں پر زور دے رہے ہیں البتہ مغربی حکومتیں اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں ادا کر رہی ہیں وہ مغربی تہذیب واقدار کو عام کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ حقیقت میں دونوں کا مفہوم ومقصد ایک ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد بھی مغربی تہذیب وتمدن کو زبردستی مسلط کیا گیا تھا مگر دینی مدارس کے احیاء اور ان کے مزاحمتی کردار کے باعث انگریز نہ صرف جدید تعلیم کی آڑ میں عیسائیت کو غالب مذہب کے طور پر مسلط کرنے میں

ناکام ہوئے تھے بلکہ انہی دینی مدارس اور علمائے کرام کی جانب سے مسلم رائے عامہ ہموار کرنے کے نتیجے میں مسلمانانِ ہند قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں انگریزوں اور ہندوؤں کی تمام تر سازشوں کے باوجود 14 اگست 1947ء کو اسلام کے نام پر پاکستان کے قیام میں کامیاب ہوئے تھے چونکہ دینی مدارس مسلمانوں کی اسلامی، سماجی اور سیاسی فکر کی تشکیل میں تاریخ کے تمام ادوار میں اساسی کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اس لئے مغربی طاقتیں، عیسائیت اور اس کی نمائندہ مغربی تہذیب وتمدن کو مسلم معاشروں پر مسلط کرنے کے لئے دینی مدارس کے خلاف قاہرانہ کاروائی کا تہیہ کر چکی ہے۔ مسلم مدارس کا تحفظ صرف علماء یا ان میں پڑھنے والوں کی ذمہ داری نہیں یہ مسلم معاشروں کے تمام افراد اور طبقوں کی دینی غیرت و بقاء کا مسئلہ ہے۔ مغرب کی کوشش ہے کہ وہ دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ اور علماء کرام کو مشتعل کر کے ان سے سنگین غلطیاں کروائے جنہیں بنیاد بنا کر وہ ان کے خلاف لال مسجد جیسی کاروائیاں کر سکے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ ملک کے دینی طبقے زیادہ نقصان سے بچنے کے لئے اعتدال، توازن اور معاملہ فہمی سے کام لیں۔ انہیں خود ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے جس کی واپسی ممکن نہ رہے۔ انہیں مسلکی مفادات بالائے طاق رکھ کر وسیع تر اتحاد کی کوشش کرنی چاہئے تا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں دینی مدارس کو تباہ کر کے عیسائیت کو عام کرنے کے عالمی منصوبے کو ناکام بنایا جا سکے۔

﴿حوالہ جات﴾

1۔ سرسید احمد خان، ''اسباب بغاوت ہند''، لاہور، مصطفائی پریس، س، ن، ص22، غلام رسول مہر، 1857ء پاک ہند کی پہلی جنگ آزادی'' لاہور کتاب منزل، س، ن، ص49، خلیق احمد نظامی، ''1857ء کا تاریخی روزنامچہ'' دہلی، ندوۃ المصنفین، 1958ء ص21۔

(2) ''اسباب بغاوت ہند''، 24-17

T.W Arnold "The Preaching of Islam" ,Lahore, Sh.Muhammad Ashraf, 1968, 3rd ,P 257.

(4) 1857ء کا تاریخی روزنامچہ'' ص24

(5) ایضاً، ص20

(6) مولانا احمد رضا خان بریلوی، ''فتاوی رضویہ'' لاہور، رضا فاؤنڈیشن، 1999ء ج16، ص510

(7) مولانا فضل حق خیر آبادی، ''باغی ہندوستان''، لاہور، مکتبہ قادریہ، 1974ء، ط2 ص256

(8) ایضاً

(9) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ''برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ'' (ترجمہ: ہلال احمد زبیری) کراچی، کراچی یونیورسٹی 1967ء ص294

(10) غلام رسول مہر، ''پاک وہند کی پہلی جنگ آزادی''، ص82

11) مرزا اسد اللہ خان غالب، ''عود ہندی''، لاہور مجلس ترقی ادب، 1967ء ص91-92

(12) مرجع سابق، ص255-256 13۔ ایضاً، ص257-259

(14) دارالمصنفین، ''ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے''، اعظم گڑھ، 1963ء مولانا سید ابوظفر ندوی، باب، ''کتب خانے، ص264-265

(15) مولانا ابوالحسنات ندوی، ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ہیں'' لاہور مکتبہ خاور مسلم مسجد، 1979ء ص20

(16) ''برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ'' ص288

(17) ایضاً، ص289

(18) ایضاً

(19) ایضاً، ص293

(بشکریہ ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ ستمبر 07ء)

فقر اور جمال مصطفیٰ ﷺ

چیست فقر اے بندگان آب وگل — یک نگاہ راہ بیں یک زندہ دل
فقر خیبر گیر با نان شعیر — بستۂ فتراک اور سلطان و میر
فقر ذوق وشوق وتسلیم و رضا است — ما امینیم این متاع مصطفیٰ است
مومناں را گفت آن سلطان دین — مسجد من ایں ہمہ روئے زمین
الامان از گردش نُہ آسماں — مسجد مومن بدست دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش — تا بگیرد مسجد مولائے خویش
وائے آں شاہیں کہ شاہینی نہ کرد — مرغکے از چنگ او نامد بدرد
فقر قرآن احتساب ہست و بود — نے رباب ومستی و رقص و سرود
فقر مومن چیست؟ تسخیر کائنات — بندہ از تاثیر اُو مولا صفات
فقر کافر خلوت دشت و دراست — فقر مومن لرزہ بحر و بر است
دل زغیر اللہ بہ پردازے اے جواں — ایں جہاں کہنہ در باز اے جواں
تاکجا بے غیرت دیں زیستن — اے مسلماں مردن است ایں زیستن
آہ زاں قومے کہ از پا برفتاد — میر سلطاں زاد و درویشے نزاد
اے تہی از ذوق وشوق وسوز و درد — می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!
عصر ما ما را ز ما بیگانہ کرد — از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد
خویشتن را تیزی شمشیر دِہ — باز خود را در کف تقدیر دِہ
اندرون تست سیل بے پناہ — پیش اُو کوہ گراں مانندِ کاہ